مبادیاتِ تفسیر

تفسیر اور قرآنی علوم پر مشتمل ایک مختصر سا کتابچہ، جس میں بہت سے نادر و نایاب جواہرات کو عمدہ اسلوب میں جمع کر دیا گیا ہے، عوام اور طلبہ و علماء کے لیے یکساں مفید۔

مؤلف
مولانا محمد کفیل خان صاحب

بیت العلوم
۲۰- نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور۔ فون: ۷۳۵۲۲۴۸۳

مبادیاتِ تفسیر

مبادیاتِ تفسیر

تفسیر اور قرآنی علوم پر مشتمل ایک مختصر سا کتابچہ، جس میں
بہت سے نادر و نایاب جواہرات کو عمدہ اسلوب میں جمع کر دیا
گیا ہے، عوام اور طلبہ و علماء کے لیے یکساں مفید۔

مؤلف
مولانا محمد کفیل خان صاحب
فاضل جامعہ اشرفیہ لاہور

بیت العلوم
۲۰- نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور- فون: ۷۳۵۲۴۸۳

کتاب　　مبادیات تفسیر

مولف　　مولانا محمد کفیل خان (فاضل جامعہ اشرفیہ لاہور)

باہتمام　　مولانا محمد ناظم اشرف

ناشر　　بیت العلوم۔ ۲۰ نابھہ روڈ، چوک پرانی انارکلی، لاہور

فون: 042-7352483

﴿ملنے کے پتے﴾

بیت العلوم = ۲۰ نابھہ روڈ، پرانی انارکلی، لاہور

ادارہ اسلامیات = ۱۹۰ انارکلی، لاہور

ادارہ اسلامیات = موہن روڈ چوک اردو بازار، کراچی

دارالاشاعت = اردو بازار کراچی نمبر ۱

بیت القرآن = اردو بازار کراچی نمبر ۱

بیت الکتب = گلشن اقبال، کراچی

ادارۃ المعارف = ڈاک خانہ دارالعلوم کورنگی کراچی نمبر ۱۴

مکتبہ دارالعلوم = جامعہ دارالعلوم کورنگی کراچی نمبر ۱۴

مکتبہ قرآن = بنوری ٹاؤن، کراچی

بک سنٹر = 32 حیدر روڈ راولپنڈی

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿رائے گرامی﴾

استاذ العلماء، استاذ الحدیث

حضرت مولانا پروفیسر محمد یوسف خان صاحب مدظلہ

حامداً و مصلیاً

عموماً تفسیر قرآن حکیم کے طلباء علوم القرآن کے مبادی سے خالی الذہن ہوتے ہیں۔اور مبتدی طلباء کو مبادیاتِ قرآن کے اصول موضوعہ سے متعارف کروانے کیلئے ضخیم کتب کا مطالعہ کروانا ممکن نہیں ہوتا۔

اس تناظر میں مبتدی طلباء کے لئے عزیزم مولانا محمد کفیل خان سلمہ کی کاوش قابل قدر ہے۔

اللہ رب العزت فہم قرآن حکیم کی خدمت کیلئے اس عمدہ کوشش کو قبول فرمائے۔آمین

احقر محمد یوسف خان

۱۵ ذوالحجہ ۱۴۲۰ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿عرضِ مؤلف﴾

قرآن کریم سمجھنا، سمجھانا، اسے سنبھالنا، اگلوں تک منتقل کرنا، اس کی باریکیوں میں غوطہ زنی کر کے نت نئے جواہرات تلاش کرنا، اس کے معارف وحقائق کی معرفت کے بعد اس کے لطائف ودقائق کی جستجو میں سرمایۂ علم صرف کر کے حیاتِ خضر بھی مل جائے تب بھی شاید اس کی گہرائی اور پنہائی سے مکمل آگاہی نہ ہو سکے، ایک مسلمان کی زندگی میں علمی طور پر شامل اور داخل ہونے والی سب سے پہلی چیز قرآن کریم ہی ہوتی ہے، جو نہ صرف محبت وعقیدت کا مرکز ہوتی ہے بلکہ علم کی ترقی، ذہن وفکر کی کشادگی، قلم کی روانی اور سوچ کی جولانی کا ذریعہ بن کر ایک جامد اور ساکت فکر کو سیلانی بنا دیتی ہے۔

اور انسان خود کو ایک مستقل سفر میں محسوس کرتا ہے، جہاں ہر دن نئی منزل، ہر پل نیا راستہ اور ہر لمحے ایک نیا موڑ نظر آتا ہے، کل تک وہ اپنے علم کو جس مقام پر انتہائی سمجھ رہا تھا، اگلے ہی لمحے وہ مقام ابتدائی نظر آنے لگتا ہے۔

اور قرآن کریم کے دیگر بے شمار کمالات میں سے ایک اعجازِ قرآنی یہ بھی ہے کہ زمانہ نزول سے لے کر وقتِ موجود تک بلکہ دنیا کے عصر موعود تک مختلف انداز، زاویے اور پیرائے سے قرآن کریم کی خدمت انجام جاری رہے گی۔ انوکھے انداز، اچھوتے مضامین، عجیب وغریب اسلوبِ تحریر غرض ہر شعبے میں روز بروز نئے سے نئے عنوانات اور مضامین سامنے آتے رہیں گے اور ہر مسلمان اسے اپنی سعادتِ دارین، اور دولتِ کونین جان کر اپنے اپنے مقدور بھر اپنا اپنا حصہ شامل کرتا رہے گا۔

نورانی قاعدہ ہو یا بیضاوی وجلالین، روح المعانی ہو یا تفسیر کبیر وابنِ کثیر غرض ہر حیثیت کا مسلمان اپنی اپنی جگہ کسی نہ کسی انداز میں خدمتِ قرآن میں مصروف رہنے کو اپنی سب سے بڑی خوش قسمتی سمجھتا ہے۔

مدارس دینیہ میں دیگر فنون کے ساتھ اہم ترین اور علوم کی اصل بنیاد قرآن و

حدیث کو بنیادی اہمیت اور فوقیت حاصل رہتی ہے، جس کے لئے ترجمہ وتفسیر کے حوالے سے مختلف قیمتی، علمی نایاب و نادر ابحاث طلباء کے سامنے رکھی جاتی ہیں تا کہ ان کے ذوق میں بلندی، قرآن فہمی کا شوق اور قرآنی تعلیمات عام کرنے کا جذبہ بیدار ہو سکے۔

لیکن عجیب بات یہ ہے کہ اکثر طلباء بنیادی، ابتدائی اصطلاحات اور اہم مضامین سے ناواقف رہتے ہیں، جس کی وجہ سے قرآن کریم اور تفسیر سے متعلقہ بے شمار اہم باتوں سے نا آشنا رہنے کی وجہ سے بات کو صحیح طور پر سمجھ نہیں پاتے۔

الحمدللہ احقر کئی سال سے مادرِ علمی جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد میں درجہ رابعہ کے طلباء کو تفسیر کے بارے میں کچھ پڑھانے کی کوشش کر رہا ہے، اس ضمن میں بطورِ مبادی چند باتیں طلباء کرام کے گوش گزار کر دی جاتی ہیں جنہیں کچھ طلباء کرام نوٹ کر لیتے ہیں۔

اسی طرح ایک تعلیمی سال کے دوران میرے انتہائی عزیز القدر، نورِ نظر مولوی محمد ظفر سلمہ نے کاپی تحریر کی، جو انتہائی سلیقے، ضابطے اور خوبصورتی سے مکمل محبت اور شوق سے لکھی گئی تھی، جسے مشفق و محسن استاد العلماء، حضرت مولانا محمد یوسف خان صاحب مدظلہ نے پسند فرمایا اور حوصلہ افزائی فرمائی تو پھر اسے کئی سال تک طلباء کو لکھواتا رہا، اب ارادہ ہوا کہ چند اضافوں کے ساتھ اسے تحریری شکل میں لا کر طلباء تک پہنچا دیا جائے۔

قارئین محترم! یہ کوئی نیا کام نئی کتاب، نیا عنوان نہیں، بلکہ اکابرین علماء کرام کی بابرکت تحریرات سے چند چیدہ چیدہ مضامین کا دستر خوان ہے، جو میں نے مختلف حضرات کی دریوزہ گری اور بھک منگی سے اکٹھا کر کے طلباء کے سامنے پیش کیا ہے تا کہ مہمانانِ رسول ﷺ کے سامنے ایک ساتھ کئی چیزیں آسکیں، میں نے محض ایک خادم کی طرح دستر خوان سجایا ہے، یہ مزیدار علمی ذائقے کسی اور کی خیرات ہیں دراصل یہ طلباء کے لیے ہے اہل علم حضرات نظر شفقت فرما کر دعواتِ صالحہ میں یاد فرمالیں تو بڑا کرم ہوگا۔ آخر میں عزیزم مولوی محمد ظفر صاحب سلمہ، برادرم مولانا محمد ناظم اشرف صاحب مدظلہ کا مشکور ہوں جنہوں نے اس بے ربط مجموعے کو شائع فرمایا اور کوشش کی، اور اللہ اسے ذخیرہ آخرت اور ذریعہ بلندی درجات بنائے، محبوب العلماء حضرت حافظ شفقت علی صاحب ؒ کے لئے جو نہ صرف اسم

بامسمی تھے بلکہ علم اور اہل علم کے قدر دان بھی تھے، اور سب سے بڑھ کر میرے محسن اور میرے عزیز دوست مولانا ناظم اشرف سلمہ کے والد محترم بھی تھے، کیلئے بھی اسے توشہء آخرت کے طور پر قبول فرمائے۔آمین

محتاج دعا بے انتہا
بندہ فقیر محمد کفیل عفی عنہ
مدرس جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد
۱۹ ذیقعدہ ۱۴۲۷ھ بروز منگل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اعجاز قرآنی

اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو جو معجزات عطا فرمائے، ان تمام کی عظمت واہمیت اپنی جگہ مسلم لیکن ان میں سے تین معجزے ایسے ہیں جنہیں ''زندہ معجزہ'' کہا جا سکتا ہے اور آج بھی ہر آدمی کھلی آنکھوں ان کا مشاہدہ کر سکتا ہے۔

(۱) قرآن کریم

(۲) حضور ﷺ کی مسنون دعائیں

(۳) منی سے حجاج کرام کی ان کنکریوں کا خود بخود ہی غائب ہو جانا جو حجاج کرام رمی جمرات کے وقت شیاطین کو مارتے ہیں۔

اس مقام پر ہمیں یہ ثابت کرنا ہے کہ قرآن کریم کو ''معجزہ'' (عاجز کر دینے والی کتاب) کیسے قرار دیا جا سکتا ہے؟ اگر اسے الفاظ کے عمدہ چناؤ کی وجہ سے معجزہ کہا جاتا ہے تو شعراء عرب کے قصائد کو بھی معجزہ کہنا چاہیے، اگر فصاحت وبلاغت اسے معجزہ قرار دینے پر مجبور کرتی ہے تو پھر فصحاء عرب کے خطبات بھی معجزہ قرار دینے چاہئیں، اگر صرف یہ بات قرآن کریم کو معجزہ ثابت کرتی ہے کہ اس کی مثال پیش نہیں کی جا سکتی تو ماضی قریب میں فیضی کی ''سواطع الالہام'' کے نام سے موجود تفسیر قرآن (جس میں ایک لفظ بھی نقطے والا نہیں لیا گیا) کو بھی معجزہ کہنا چاہیے کیونکہ اس کی بھی مثال آج تک پیش نہ کی جا سکی۔

ظاہر ہے کہ اگر اس قسم کی وجوہات کی بناء پر قرآن کریم کو معجزہ قرار دیا جاتا ہے تو پھر اس میں قرآن کریم کی ہی کیا خصوصیت ہے؟ پھر تو بہت ساری چیزوں کو معجزہ کہنا اور سمجھنا پڑیگا، سوال یہ ہے کہ قرآن کریم کیسے ایک معجزہ ہے؟ چونکہ یہ سوال اتنا اہم ہے کہ بڑے بڑے علماء نے اس موضوع پر مستقل کتابیں تحریر فرمائی ہیں اس لئے اس پر تفصیل سے لکھنا

ضروری معلوم ہوتا ہے لیکن اختصار کا دامن تھامے رکھنا بھی ضروری ہے لہٰذا اس سلسلے کے اہم اہم نکات لکھے جاتے ہیں۔

(۱) قرآن کریم علوم الٰہیہ کا امین ہے اور علم الٰہی یقین کی اس معراج پر ہوتا ہے جس سے اوپر یقین کا کوئی بھی درجہ نہیں، جبکہ دیگر کتب وخطبات، قصائد وتحریرات اس صفت سے محروم ہیں، اس لئے انہیں معجزہ نہیں قرار دیا جا سکتا۔

(۲) قرآن کریم بغیر کسی محنت اور کسب کے نازل کیا گیا ہے جبکہ دیگر علوم وفنون کے حصول میں اپنی زندگی کھپا کر ہی مہارت حاصل ہوسکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اتنی محنت، جستجو اور تلاش کے بعد کسی چیز میں مہارت کو معجزہ سے تعبیر کرنا ناانصافی ہے۔

(۳) قرآن کریم نے زمانہ قدیم کے جن حالات کی نقاب کشائی کی یا زمانہ مستقبل کے جن حالات وواقعات کی پیشین گوئی کی، چشم فلک نے اسے روز روشن کی طرح کھرا اور سچا پایا، جبکہ انسان اور اس کی مرتب کردہ تاریخ وعلوم اٹکل کے تیر ہیں جو کبھی نشانے پر لگ گئے اور کبھی چوک گئے، اگر ایسے تیر نشانے پر لگ جائیں تو ان پر اعتماد کر کے انہیں معجزہ قرار دینا یقیناً کسی عقل مند آدمی کا کام نہیں ہوسکتا۔

(۴) قرآن کریم "باوجودیکہ کوئی بہت طویل کتاب نہیں" نے اپنے پیروکاروں کی زندگی میں جو انقلاب بپا کیا، اس کی نظیر تاریخ عالم پیش کرنے سے عاجز ہے اور اسی بنیاد پر قرآن کریم کو معجزہ کہا جاتا ہے کہ اس نے ۲۳ سال کی مختصر سی مدت میں ایسے دوررس نتائج مرتب کیے جو شاید کسی اور سے صدیوں میں ہی مرتب ہوسکتے ہیں گو کہ اتنے مضبوط پھر بھی نہ ہوں گے۔

(۵) قرآن کریم نے جس قوت اور مضبوطی سے اپنے آپ کو بے نظیر اور بے مثل ومثال قرار دیا اور اس پر پوری دنیا کے جن وانس کو چیلنج کیا کہ اگر تم میں ہمت ہے تو اس جیسا قرآن، یا اس جیسی دس سورتیں، یا اس جیسی ایک ہی سورت بنا لاؤ، یہ چیلنج ہی اسے معجزہ قرار دینے کے لئے کافی ہے لیکن اس پر مستزاد یہ کہ کسی میں اس چیلنج کو قبول کرنے کی ہمت اور جرأت پیدا نہ ہوسکی۔ کیا کسی انسانی کلام کو ایسے زبردست

چیلنج کے ساتھ پیش کیا جا سکتا ہے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر معجزہ بھی اسی کتاب لاریب کو قرار دیا جا سکتا ہے جسے قرآن کہا جاتا ہے۔

(۶) قرآن کریم کی انتیس سورتوں کے شروع میں جو حروف مقطعات آئے ہیں، اگر کوئی اور چیز اعجاز قرآنی کی دلیل کے طور پر نہ بھی پیش کی جائے تو یہ حروف ہی اعجاز قرآن کی بہت بڑی دلیل ہیں، اگر کسی کو طبع آزمائی کا شوق ہو تو ایسے حروف ہی بنا کر دکھا دے۔

(۷) ایک انسانی اپنی تمام تر عقلی اور عملی طاقتوں کے باوجود آسمان و زمین پر حکم جاری نہیں کر سکتا اور نہ ہی آسمان و زمین انسانی حکم کے تابع اور پابند ہیں جبکہ قرآن کریم کا مطالعہ کرنے والا اس بات سے بخوبی واقف ہے کہ قرآن کہیں زمین کو حکم دیتا ہے۔

یارْضُ ابلَعِي مَآءَ كِ

اور کہیں آسمان کو حکم دیتا ہے۔

وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ

اس لئے معجزہ کہلانے کا حق دار اس سے زیادہ کوئی اور کلام نہیں ہو سکتا۔

(۸) دنیا کی بڑی سے بڑی کتاب اور مشہور سے مشہور مصنف کی تحریر زیادہ سے تین یا چار مرتبہ پڑھنے کے بعد انسان کی طبیعت اچاٹ ہونے لگتی ہے، اکتاہٹ پیدا ہو جاتی ہے اور انسان اسے طاقِ نسیان میں رکھنے پر مجبور ہو جاتا ہے جبکہ قرآن کریم جتنی مرتبہ پڑھا جائے، ہر مرتبہ نئی لذت اور نیا لطف حاصل ہوتا ہے جو ظاہر ہے کہ ایک معجزہ ہی کی خصوصیت ہو سکتی ہے۔

(۹) قرآن کریم کو معجزہ قرار دینے کے لئے دنیا کے ان کروڑوں حفاظ کو پیش کیا جا سکتا ہے جن میں بوڑھے، جوان، بچے، امیر، غریب، مرد، عورت، سب ہی شامل ہیں اور ان کے سینوں میں قرآن کریم مکمل محفوظ ہے، دنیا کی کون سی کتاب کا کوئی ایک ہی حافظ موجود ہے؟

(۱۰) اسلام کی تاریخ ڈیڑھ ہزار سالہ ہے، اس طویل عرصے میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ امت قرآن سے محروم ہوئی ہو اور کبھی اس کے اعراب، حرکات وسکنات یا رکوعات وسجدات میں کوئی تبدیلی آئی ہو، کیا یہ بات قرآن کریم کو معجزہ ثابت کرنے کے لئے کافی نہیں؟

قرآن کریم کے اسماء اور ان کی وجوہِ تسمیہ

صاحب البرھان علامہ ابو المعالی ؒ نے قرآن کریم کے پچپن نام شمار کیے ہیں اور بعض دوسرے حضرات نے اس کی تعداد اس سے بھی زائد بیان فرمائی ہے، درحقیقت ان حضرات نے قرآن کریم کی صفات مثلاً مجید، کریم، حکیم اور مبین وغیرہ کو نام قرار دے کر اس حد تک تعداد پہنچادی ہے ورنہ صحیح معنی میں قرآن کے صرف پانچ نام ہیں جو قرآن نے خود اپنے لئے بطور اسم علم ذکر کئے ہیں اور وہ یہ ہیں۔

(۱) القرآن (۲) الفرقان (۳) الکتاب (۴) الذکر (۵) التنزیل

وجہ تسمیہ

لفظِ قرآن قَـرَءَ یـقـرء سے مشتق ہے جس کا لغوی معنی ہے "جمع کرنا" پھر یہ لفظ "پڑھنے" کے معنی میں اس لئے استعمال ہونے لگا کہ اس میں حروف اور کلمات کو جمع کیا جاتا ہے۔

قرء یقرء کا مصدر "قراۃ" کے علاوہ "قرآن" بھی آتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

"اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْآنَهٗ" (القیامہ:۱۷)

اور عربی زبان میں یہ بات بہت شائع وذائع ہے کہ کبھی کبھی مصدر کو اسم مفعول کے معنی میں استعمال کر لیا جاتا ہے، کلام اللہ کو قرآن یعنی پڑھی ہوئی کتاب اسی معنی میں کہا جاتا ہے۔

یوں تو قرآن کریم کی بہت سی وجوہ تسمیہ بیان کی گئی ہیں لیکن زیادہ راجح یہ معلوم

ہوتا ہے کہ یہ نام کفار عرب کی تردید میں رکھا گیا اس لئے کہ وہ کہا کرتے تھے۔

﴿لا تَسمَعُوا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ﴾ (حمٓ آلسجدہ :۲۶)

ان کے بالمقابل اس کا نام قرآن رکھ کر یہ بتلا دیا گیا کہ اس سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب کوئی اور نہیں۔

قرآن کریم کی اصطلاحی تعریف

قرآن کریم کی اس لغوی وضاحت کے بعد اس کی اصطلاحی تعریف بھی معلوم ہونا ضروری ہے چنانچہ علماء کرام نے قرآن کریم کی تعریف کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے۔

اَلمنزَّل عَلیَ الرسول ﷺ، المکتوب فی المصاحف، المنقول الینا نقلاً متواترا بلا شبهة (التلویح:۶۹)

یعنی اللہ تعالیٰ کا وہ کلام جو محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا، مصاحف میں لکھا گیا اور حضور ﷺ سے بغیر کسی شبہ کے تواتراً منقول ہے۔''

قرآن کریم کی یہ اصطلاحی تعریف تمام اہل علم کے نزدیک متفق علیہ ہے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔

وحی اور اس کی حقیقت

قرآن کریم چونکہ حضور ﷺ پر بذریعہ وحی نازل ہوا، اس لئے وحی کے متعلق چند باتوں کا جاننا ضروری ہے۔

یہ بات ہر مسلمان کے علم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس دنیا میں آزمائش کیلئے کچھ ذمہ داریاں دے کر بھیجا ہے اور پوری کائنات کو اس کا خادم بنایا ہے، لہٰذا دنیا میں آنے کے بعد انسان کیلئے دو کام بہت ضروری ہیں۔

(۱) چاروں طرف پھیلی ہوئی کائنات سے ٹھیک کام لے اور

(۲) یہ کہ اس کائنات کے استعمال میں اللہ کے احکامات کو مدنظر رکھے۔

اور ان دونوں کاموں کے لئے علم کی ضرورت ہے، اس لئے کہ بغیر علم کے کسی چیز

کو استعمال کرنا اور اس کے نفع ونقصان سے آگاہ ہونا ممکن نہیں اس لیے پروردگار نے انسان کو عقل وشعور، احساس وادراک سے نوازا تاکہ وہ اس بکھری ہوئی کائنات کو جان سکے اور کچھ چیزیں وہ تھیں جو عقل سے اونچی اور ماوراء تھیں، ان کے جاننے کیلئے وحی کو بھیجا چنانچہ حجتہ الاسلام امام غزالی رحمہ اللہ اپنی مشہور کتاب احیاء العلوم میں یہ اصول تحریر فرماتے ہیں کہ

''احکام اسلام خلاف عقل نہیں، بلکہ ماوراء عقل ہیں یعنی جس مقام پر عقل کی انتہاء ہوتی ہے وہاں سے وحی کی ابتداء ہوتی ہے۔''

وحی کا مفہوم

''وحی'' اور ''ایحاء'' دونوں عربی زبان کے لفظ ہیں اور لغت میں اس کا معنی ہے ''جلدی سے کوئی اشارہ کر دینا'' خواہ یہ اشارہ رمز وکنایہ سے کیا جائے، یا بے معنی آواز نکال کر، یا جسم کو بے مقصد حرکت دے کر یا کچھ لکھ کر، بہر صورت باعتبار لغت کے اس پر یہ الفاظ صادق آتے ہیں لیکن یہاں یہ بات یاد رہے کہ لفظ وحی اپنے اصطلاحی معنی میں اس قدر مشہور ہو چکا ہے کہ اب اس کا استعمال غیر نبی کیلئے بالکل درست نہیں، چنانچہ محدث کبیر علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''وحی'' اور ''ایحاء'' میں فرق ہے اور وہ یہ کہ ''ایحاء'' کا مفہوم عام ہے جو نبی اور غیر نبی دونوں کو شامل ہے جبکہ ''وحی'' صرف اور صرف اس الہام کو کہتے ہیں جو انبیاء علیہم السلام پر نازل ہو۔ (فیض الباری ج ا صفحہ ۱۹)

بعض محدثین نے وحی کی مزید دو قسمیں بیان کی ہیں۔

(۱) وحی تشریعی

وہ وحی جس کے ذریعے دین وشریعت کے احکامات نازل ہوں، اس کا دروازہ قیامت تک کیلئے بند ہو چکا۔

(۲) وحی تکوینی

وہ خفیہ تدبیر جو نہ کوئی سن سکے، نہ سمجھ سکے اور اس مخلوق کا دنیوی فائدہ اس سے وابستہ ہو، جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿وَ اَوْحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا﴾ (النحل: ٦٨)

''یعنی تیرے رب نے شہد کی مکھی کو یہ بات سمجھائی کہ پہاڑوں پر اپنا چھتہ بنا''

تعلیماتِ وحی

بذریعہ وحی بندوں کو ان چیزوں کی تعلیم دی جاتی ہے جو محض عقل اور حواس سے معلوم نہ کی جاسکیں، یہ باتیں خالص مذہبی نوعیت کی بھی ہوسکتی ہیں اور عام دنیوی ضروریات کے متعلق بھی، لیکن انبیاء علیہم السلام کی وحی عموماً پہلی قسم کی ہوتی ہے۔ ہاں! انبیاء علیہم السلام کو بوقتِ ضرورت دنیاوی ضروریات بھی بذریعہ وحی بتائی گئیں جیسے سورۂ ہود میں حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق فرمایا:

﴿وَاصْنَعِ الْفُلْکَ بِاَعْیُنِنَا وَوَحْیِنَا﴾ (ھود: ۲۷)

''کشتی ہمارے سامنے اور ہماری وحی کے ذریعے بناؤ''

اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام کو اشیاء کے ناموں کا علم بذریعہ وحی کیا گیا۔

نیز بعض روایات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ علم طب بنیادی طور پر بذریعہ وحی نازل ہوا ہے۔

ضرورت وحی

انسان دو چیزوں سے مرکب ہے اور وہی دو چیزیں اس کی ہیئت ترکیبیہ ہیں یعنی روح اور جسم، ان میں سے جسم ایک کثیف چیز ہے جس کا ہم میں سے ہر ایک مشاہدہ کر سکتا ہے اور کرتا ہے جبکہ روح ایک لطیف چیز کا نام ہے جسے دیکھنا ہمارے بس سے باہر ہے اور اسے سمجھنا تو انسانی طاقت کیلئے ممکن ہی نہیں اسی لیے روح کے متعلق مشرکین کے سوال کا صرف اتنا ہی جواب دیا گیا۔

﴿قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ﴾ (الاسراء: ۸۵)

بہر حال! انسان جب روح اور جسم دونوں سے مرکب ہوا تو روح کی بھی کچھ

ضروریات ہوں گی اور جسم کے بھی کچھ تقاضے ہوں گے۔اور جسمانی ضروریات اور تقاضوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانی جسم کے تین تقاضے بنیادی اہمیت کے حامل ہیں۔
(۱) کھانا (۲) پینا (۳) جنسی خواہش کی تکمیل اور اس کے ذریعے نسل انسانی کی بقاء۔

اور یہ تینوں ضروریات پوری کرنے کیلئے کائنات کا ذرہ ذرہ انسان کا خادم بن کر مصروف عمل ہے۔اب مقام غور ہے کہ جسم کثیف ہونے کے باوجود کائنات کے ذرے ذرے کا مخدوم بنا ہوا ہے اور اس کی تمام ضروریات پوری ہو رہی ہیں،سو اگر روح کے تقاضے پورے نہ کیے جائیں اور اس کی ضروریات پایہ تکمیل تک نہ پہنچیں تو یہ اس کے ساتھ ناانصافی ہوگی،اس لیے انصاف کا تقاضا بنتا تھا کہ روحانی ضروریات کی بھی تکمیل کی جائے،اس کیلئے اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ اور قدرت کاملہ سے ''وحی'' کا سلسلہ شروع کیا۔

یہیں سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ جس طرح جسمانی ضروریات کی تکمیل کیلئے پوری کائنات کا وجود ضروری ہے اسی طرح روحانی ضروریات کی تکمیل کیلئے ''وحی'' کا ہونا بھی ضروری ہے۔اور اسی لیے اللہ تعالیٰ نے کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا اور سب سے آخر میں ہم سب کے آقا و مولیٰ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرما کر اس سلسلے کو ہمیشہ کیلئے بند کر دیا۔

اقسام وحی

محدث کبیر،سرتاج العلماء حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ اپنی بے مثال و بے نظیر کتاب فیض الباری شرح صحیح البخاری (ج ۱ ص ۱۴) پر وحی کی ابتداءً تین قسمیں بتاتے ہیں۔

(۱) وحی قلبی

اس قسم میں اللہ تعالیٰ براہ راست نبی کے قلب کو مسخر فرما کر اس میں کوئی بات ڈال دیتا ہے،اس قسم میں نہ فرشتے کا واسطہ ہوتا ہے اور نہ نبی کی قوت وحواس کا،لہٰذا اس صورت میں نبی کو کوئی بات سنائی نہیں دیتی بلکہ اس کے دل میں نقش ہو جاتی ہے اور یہ بھی

معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ بات اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہے، یہ کیفیت بیداری میں بھی ہوسکتی ہے اور خواب میں بھی۔ اسی لیے انبیاء علیہم السلام کا خواب وحی ہوتا ہے چنانچہ اس کی واضح ترین مثال ''ذبحِ اسماعیل علیہ السلام'' کا واقعہ ہے۔

(۲) کلام الٰہی

یہ دوسری قسم پہلی سے بہت اعلیٰ ہوتی ہے، اس میں اللہ تعالیٰ نبی کو براہ راست ہم کلامی کا شرف بخشتا ہے، اس میں کسی فرشتے کا واسطہ نہیں ہوتا لیکن نبی کو آواز سنائی دیتی ہے اور یہ آواز تمام مخلوقات کی آواز سے بالکل الگ تھلگ اور جداگر پرنور کیفیت کی حامل ہوتی ہے جس کا فہم وادراک، عقل وحواس سے ممکن نہیں، جو انبیاء کرام علیہم السلام اسے سنتے ہیں وہی اس کی کیفیت اور لذت وسرور کو پہچان سکتے ہیں۔

(۳) وحی ملکی

اس تیسری قسم میں اللہ تعالیٰ اپنا پیغام کسی فرشتے کے ذریعے اپنے نبی تک بھیجتا ہے، بعض اوقات وہ فرشتہ نظر بھی نہیں آتا، صرف آواز سنائی دیتی ہے اور کبھی کبھار فرشتہ انسانی شکل میں آکر پیغام سناتا ہے اور کبھی اپنی اصلی شکل میں آتا ہے لیکن ایسا شاذ ونادر ہوتا ہے۔

سورہ شوریٰ کی آیت نمبر ۵۱ میں وحی کی ان تینوں قسموں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول وحی کے طریقے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر مختلف طریقوں سے وحی کا نزول ہوتا تھا جن میں سے مندرجہ ذیل طریقے زیادہ مشہور ہیں۔

(۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''کبھی نزول وحی کے وقت مجھے گھنٹیوں کی آواز آتی ہے اور یہ مجھ پر بہت سخت ہوتی ہے۔'' (بخاری:۲)

(۱) صلصلۃ الجرس

نزول وحی کا پہلا طریقہ یہ ہے کہ حضور ﷺ کو اس قسم کی آواز آیا کرتی تھی، جیسی گھنٹیاں بجنے سے پیدا ہوتی ہے، حدیث میں چونکہ صرف اتنا ہی مذکور ہے اس لیے یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ اسے کس اعتبار سے گھنٹیوں کی آواز سے تشبیہ دی گئی ہے؟ بعض علماء کا خیال ہے کہ وحی لاتے وقت فرشتے اپنے پروں کو پھڑ پھڑاتے تھے جس سے یہ آواز پیدا ہوتی تھی جبکہ بعض علماء کا خیال ہے کہ گھنٹی سے تشبیہ ترنم میں نہیں ہے بلکہ تسلسل میں ہے یعنی جس طرح گھنٹی کی آواز مسلسل آتی ہے، کہیں ٹوٹتی نہیں اسی طرح وحی کا سلسلہ بلا انقطاع مسلسل ہوتا رہتا تھا۔

شیخ انورؒ نے ابن عربیؒ کے حوالے سے نہایت لطیف و دقیق توجیہ بیان فرمائی ہے کہ یہاں گھنٹی سے مشابہت دو وجہ سے ہے ایک تو تسلسل کے اعتبار سے اور دوسری تشبیہ کے اعتبار سے، کہ جب گھنٹی مسلسل بج رہی ہو تو اس کی سمت کو متعین کرنا مشکل ہوتا ہے اور ہر جہت و مکان سے آواز آتی ہوئی محسوس ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ چونکہ جہت و مکان سے منزہ و مبرا ہے اس لیے اس کے کلام کی بھی یہ خصوصیت ہے کہ وہ کسی ایک سمت سے نہیں آتا بلکہ اللہ کے انوارات کی بارش چہار اطراف سے موسلا دھار برستی ہے۔ (فیض الباری ج ۱ ص ۱۹)

(۲) تمثیل ملک

نزول وحی کی دوسری صورت یہ تھی کہ فرشتہ کسی انسانی شکل میں حضور ﷺ کے پاس آکر اللہ کا پیغام پہنچا دیتا تھا، حضرت جبریل علیہ السلام عموماً حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی شکل میں تشریف لایا کرتے تھے، اس لیے کہ حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ اپنے وقت کے خوبصورت ترین انسان تھے، یہاں تک کہ باہر نکلتے تو چہرہ ڈھانپ کر چلتے۔ البتہ بعض مواقع پر دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کی شکل میں آنا بھی ثابت ہے۔

بہر کیف! یہ صورت حضور ﷺ پر سب سے آسان اور سہل ہوتی تھی۔

(۳) رؤیاء صادقہ

نزول وحی کی تیسری صورت یہ تھی کہ حضور ﷺ کو نزول قرآن سے قبل سچے خواب نظر آیا کرتے تھے اور جو کچھ وہ خواب میں دیکھتے، بیداری میں ویسا ہی ہو جاتا جس کی واضح مثال مدینہ منورہ میں ایک منافق کا حضور ﷺ پر جادو کرنا اور حضور ﷺ کو بذریعہ خواب اس سے آگاہی حاصل ہونا ہے۔

(۴) نفث فی الروع

نزول وحی کا چوتھا طریقہ یہ تھا کہ جبریل امین کسی بھی شکل میں سامنے آئے بغیر حضور ﷺ کے قلب مبارک میں کوئی بات القاء کر دیتے تھے چنانچہ آپ ﷺ فرماتے ہیں۔

﴿ان روح القدس نفث فی روعی﴾ (الاتقان: ج۱ص۴۶)

''بیشک جبریل نے میرے دل میں یہ بات ڈالی۔''

(۵) فرشتے کا اپنی اصلی شکل میں آنا

کبھی کبھار ایسا بھی ہوا کہ فرشتہ کوئی شکل اختیار کیے بغیر اپنی اصلی صورت میں دکھائی دیا اور ایسا واقعہ حضور ﷺ کی حیات طیبہ میں صرف تین مرتبہ پیش آیا، ایک مرتبہ جب آپ ﷺ نے خواہش ظاہر کی، دوسری مرتبہ معراج کے موقع پر اور تیسری مرتبہ نبوت کے بالکل ابتدائی ایام میں مقام ''اجیاد'' کے قریب۔

(۶) کلام الٰہی

نزول وحی کا یہ سلسلہ سب سے اعلیٰ، عظیم الشان اور رفیع القدر تھا، اس لیے کہ اس صورت میں خود خالق کائنات سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہوتا تھا، حالت بیداری میں یہ واقعہ صرف معراج پر پیش آیا، اس کے علاوہ حالت نوم میں بھی ایک مرتبہ اللہ سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا۔

نزول وحی کی کیفیت

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب حضور ﷺ پر وحی کا نزول ہوتا تھا تو حضور ﷺ کا سانس رکنے لگتا، چہرہ انور متغیر ہو کر کھجور کی شاخ کی طرح زرد پڑ جاتا، دانت سردی سے کپکپانے لگتے اور آپ ﷺ کو اتنا پسینہ آتا کہ اس کے قطرے موتیوں کی طرح ڈھلکنے لگتے اور بعض اوقات وحی کی اس کیفیت میں اتنی شدت پیدا ہو جاتی کہ آپ ﷺ جس جانور پر سوار ہوتے وہ بوجھ سے دب کر بیٹھ جاتا۔ (الاتقان ج۱ص۴۶)

ایک مرتبہ حضور ﷺ نے اپنا سر اقدس حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی گود میں رکھا ہوا تھا کہ اسی حالت میں نزول وحی کا سلسلہ شروع ہوا، حضرت زید رضی اللہ عنہ پر اتنا بوجھ پڑا کہ ان کی ران ٹوٹنے کے قریب ہوگئی۔ (بخاری)

ایک روایت میں خود حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ جب وحی نازل ہوتی ہے تو مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے میری روح کھینچ رہی ہو۔ (مسند احمد)

بعض اوقات وحی کی ہلکی ہلکی آواز دوسروں کو بھی سنائی دیتی تھی چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب آپ ﷺ پر وحی نازل ہوتی تو آپ ﷺ کے چہرہ انور کے قریب شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ محسوس ہوتی تھی۔ (مسند احمد)

وحی، کشف اور الہام

جیسا کہ یہ بات ظاہر ہو چکی ہے کہ وحی صرف اور صرف انبیاء علیہم السلام کے ساتھ خاص ہے اور کسی بھی غیر نبی کو خواہ وہ تقدس وولایت کے کسی بھی درجے پر فائز ہو، وحی نہیں آسکتی حتی کہ حضرت صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہما بھی اس نعمت سے محروم ہیں۔ البتہ بعض اوقات اللہ تعالیٰ اپنے خاص خاص بندوں کو کچھ خاص خاص باتیں بتا دیتا ہے، اسے ''کشف یا الہام'' کہا جاتا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی ؒ نے اپنے مکتوبات میں کشف اور الہام کے درمیان ایک لطیف ودقیق فرق بیان کیا ہے کہ کشف کا تعلق حسیات سے ہے یعنی اس میں کوئی چیز یا واقعہ آنکھوں سے نظر آجاتا ہے اور الہام کا تعلق ''وجدانیات'' سے ہے یعنی اس میں کوئی چیز

نظر تو نہیں آتی لیکن دل میں اس کی پوری حقیقت ڈال دی جاتی ہے، اسی لیے عموماً الہام، کشف کی نسبت زیادہ صحیح ہوتا ہے اور یہ نفث فی الروع کے زیادہ قریب تر ہے۔ (فیض الباری ج ۱ص ۱۹)

وحی متلو اور غیر متلو

حضور ﷺ پر نازل شدہ وحی دو قسم کی تھی جسے علماء مفسرین کی اصطلاح میں وحی متلو اور غیر متلو کہا گیا ہے۔

(الف) وحی متلو

یعنی وہ وحی جس کی تلاوت کی جاتی ہے جیسے آیاتِ قرآنِ کریم۔

(ب) وحی غیر متلو

یعنی وہ وحی جو جزوِ قرآن تو نہیں بنی لیکن اس کے ذریعے حضور ﷺ کو بے شمار احکامات عطا کیے گئے۔ وحی متلو میں اسلامی تعلیمات و احکام اجمالی طور پر بتلائے گئے ہیں اور ان کی تفصیل وحی غیر متلو کی صورت میں امت کے سامنے آئی جو احادیث صحیحہ کی شکل میں محفوظ ہے اور اس کی واضح ترین دلیل حضور ﷺ کا یہ فرمان ہے کہ

''مجھے قرآن دیا گیا اور اس جیسا اور بھی''

یہ چیز حجیت حدیث کی واضح اور روشن دلیل ہے۔ اسی لیے وہ لوگ جو شریعت سے آزادانہ زندگی گزارنا چاہتے ہیں، وحی غیر متلو یعنی حجیت حدیث کا انکار کرتے ہیں جبکہ اس کے بغیر اسلامی احکامات کو سمجھنا، سمجھانا صرف مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے، مثلاً تعداد رکعات، نصاب زکوٰۃ، مناسک حج، آداب معاشرت، اعتدال معیشت، حسن تجارت، اصول صلح و جنگ وغیرہ تمام چیزیں ہمیں حدیث ہی سے معلوم ہوتی ہیں، اگر حدیث کا انکار کر دیا جائے تو اسلام کا وجود کسی صورت بھی اس طرح نہیں رہ سکتا جس طرح نبی علیہ السلام ہمیں عطاء فرما کر گئے تھے۔

وجودِ وحی پر ایک اعتراض اور اس کا جواب

کچھ مادہ پرست اور محض عقلی غلاموں کی طرف سے یہ اعتراض ہوتا رہا اور رہتا ہے کہ کسی بندے کے دل میں خیالات کا ڈالنا کیونکر ممکن ہے؟ اس لیے کہ بندہ اپنے افعال و اختیارات میں کسی کا تابع نہیں۔ تصوف کی اصطلاح میں جب اس کی مثال ''تصرف خیالی'' سے دی جاتی تو اکثر لوگ اسے افسانہ اور ڈھونگ سمجھ کر نظر انداز کر دیا کرتے تھے مگر جب ۱۸۴۲ء میں برطانیہ کے ایک شخص ''جیمس بریڈ'' نے اسی عمل کو ''ہپناٹزم'' کا نام دیا اور اس کے مختلف مدارج مقرر کیے تو اسے ان لوگوں نے بھی مان لیا جو پہلے اسے صرف افسانہ قرار دیتے تھے اور توہم پرستی کہہ کر ٹال دیا کرتے تھے کیونکہ ایسے لوگ مغرب کی ہر دریافت کو اپنے سینے سے لگانے کیلئے تیار رہتے ہیں۔

بہر کیف! ہپناٹزم ہو یا مسمریزم، اس کی حقیقت اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں کہ ایک انسان دوسرے کو ذہنی طور پر مسخر کر کے اپنے خیالات اس کے دماغ میں ڈال دیتا ہے، معترضین وحی کیلئے قابل غور بات یہ ہے کہ جس اللہ نے انسانی تصرف میں اتنی قوت رکھی ہے کہ وہ چھوٹے چھوٹے مقاصد کیلئے دوسروں کے دل و دماغ کو مسخر کر لیتا ہے، کیا وہ اللہ خود اس بات پر قادر نہیں کہ انسانیت کی ہدایت کیلئے ایک پیغمبر کے قلب کو مسخر فرما کر اس میں اپنا کلام ڈال دے اور اسے وحی کا نام دیدے؟

قرآن کریم حفاظت الٰہی میں

عنوان کی مناسبت سے ایک شعر بار بار ذہن میں آ رہا ہے، آپ بھی محظوظ ہوں۔

فانوس بن کر جس کی حفاظت ہوا کرے
وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے

یقین کیجئے کہ جس کتاب کی حفاظت کا وعدہ پروردگار عالم نے ازل میں فرمایا تھا، ابد تک اس کی حفاظت کا ذمہ دار وہی ہے اور اس کی ذمہ داری وحفاظت میں آنے والی کوئی

چیز غیر محفوظ نہیں ہوسکتی۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس کی حفاظت کا طریقہ کیا ہو؟ جو خدا اپنے مقدس گھر کی حفاظت کیلئے ننھے ابابیل سے کام لے سکتا ہے، وہ اپنی کتاب لاریب کی حفاظت کیلئے کیا کچھ انتظام نہ کرے گا؟ چنانچہ سب سے پہلے تو لوگوں کے سینوں میں محفوظ کے اسے سفینہ بنایا گیا، پھر کاغذ کے ٹکڑوں، چمڑے، پتوں اور پتھروں پر محفوظ کر کے اسے صحیفہ بنایا گیا۔

اب انہیں متفرق اشیاء سے ایک جگہ جمع کرنے کا اہم ترین مرحلہ درپیش تھا تاکہ محافظین قرآن کی فہرست میں جگہ مل سکے، قدرت نے اس عظیم خدمت کیلئے اس ذات کو چنا جس کے کندھے یارِ غار، ہم نوالہ، ہم پیالہ، ہم دم، ہمراز، ثانی اثنین، خلیفہ بلافصل اور صدیق اکبر ﷺ کے سنہرے تمغوں سے سجے ہوئے تھے اور انہوں نے مشہور کاتب وحی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے ذریعے اس خدمت کو بڑی تندہی سے سرانجام دیا اور کتابی شکل میں لکھوا کر اپنے پاس محفوظ کرلیا۔ بعد میں یہ نسخہ امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد حضرت حفصہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کے پاس رہا۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ سیدنا صدیق اکبرؓ و فاروق اعظمؓ رشتہ میں حضور ﷺ کے سسر لگتے تھے اور حضرت عثمان غنیؓ وحیدر کرار رضی اللہ عنہ رشتے میں داماد نبوی تھے، اللہ کی حکمت بالغہ نے معمر سسر سے حفاظت قرآن کی خدمت لی تو اسی کا تقاضا ہوا کہ داماد اس شرف سے کیوں محروم رہیں؟ اس لیے داماد اکبر سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا بھی اس میں حصہ لگایا گیا۔

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کے توجہ دلانے پر اپنے ذہن میں آنے والے اس خیال کو تقویت عطا فرمائی کہ قرآن کریم کے مختلف نسخے لکھ کر پوری دنیا میں پھیلا دیے جائیں تاکہ انہیں دیکھ کر نقل کیا جائے اور انہی کے مطابق تلاوت کی جائے، اختلافاتِ باہم دگر کو ختم کرنے کا یہ ایک بہترین طریقہ تھا، پھر ترتیب نزول اور ترتیب رسول میں مطابقت بھی ضروری تھی تاکہ ''ذوالنورین'' کہلانے کا دوسرا سبب بھی امت کے سامنے واضح ہوجائے۔

اس کے بعد ان مصاحف عثمانی سے لوگ قرآن کریم نقل کرتے رہے اور اس سلسلہ میں اپنی زندگیاں وقف کردیں، تا آنکہ پریس اور آلات نشر و طباعت ایجاد ہوگئے اور قرآن کریم ابد تک کیلئے محفوظ ہوگیا۔

تاریخ نزول قرآن

قرآن کریم کلام الٰہی ہے اور صفت خداوندی ہے، اس لیے ازل سے لوح محفوظ میں موجود ہے پھر لوح محفوظ سے اس کا نزول دو مرتبہ ہوا، ایک مرتبہ یہ پورے کا پورا آسمانِ دنیا کے بیت العزۃ میں نازل کردیا گیا، پھر حسب ضرورت تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہوتا رہا۔ قرآن کریم میں اس مقصد کے لئے دو لفظ استعمال ہوئے ہیں، ایک انزال اور دوسرا تنزیل۔ انزال کا معنی ہے ایک ہی مرتبہ مکمل نازل کردینا اور تنزیل کا معنی ہے تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کرنا۔

نزول اول

بیت العزۃ جس کا دوسرا نام بیت المعمور بھی ہے اور خانہ کعبہ کی بالکل سیدھ میں واقع فرشتوں کی عبادت گاہ ہے، قرآن کریم کا نزولِ اوّل یہیں ہوا، رہی یہ بات کہ یہاں قرآن کریم کے نزول میں کیا حکمت تھی اور نزول کی کیا کیفیت تھی؟ تو اس کے متعلق یقینی طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ البتہ بعض علماء نے اس میں یہ حکمت بیان کی ہے کہ اس سے قرآن کریم کی رفعت شان کو واضح کرنا اور ملائکہ کو اس کی عظمت و ہیبت سے آگاہ کرنا مقصود تھا اور اس میں اشارہ تھا عظمت انسانیت کی طرف بواسطہ نبی اکرم ﷺ، اس لیے کہ تخلیق انسانیت پر پہلا اعتراض فرشتوں نے کیا تھا اور اللہ تعالیٰ ان پر واضح کرنا چاہتا تھا کہ یہ عظیم الشان، جلیل القدر اور رفیع المنزلت کلام کسی فرشتے کے سینے میں نہیں سما سکتا بلکہ اس عظیم الشان بوجھ کا حامل بھی انسان ہوگا، دوسرے یہ واضح کرنا بھی مقصود تھا کہ قرآن کریم ہر قسم کے شک و شبہ سے بالا و محفوظ ہے، وہ جس طرح قلب نبی ﷺ میں محفوظ ہے اسی طرح بیت العزۃ میں بھی محفوظ ہے۔

بہر حال! اس کی تفتیش کی ضرورت نہیں، وضاحت کے ساتھ صرف اتنا بتایا گیا ہے کہ اس کا نزول اول لیلۃ القدر میں ہوا تھا۔

نزول ثانی

اس بات پر علماءِ مفسرین اور اصحاب سیر و حدیث کا اتفاق ہے کہ قرآن کریم کا دوسرا تدریجی نزول اس وقت شروع ہوا تھا جبکہ حضور ﷺ کی عمر مبارک چالیس برس تھی اور اس نزول ثانی کا آغاز بھی صحیح قول کے مطابق لیلۃ القدر میں ہوا تھا۔ نزول قرآن کے متعلق مندرجہ ذیل باتیں خود قرآن کریم سے ثابت ہیں۔

(الف) اس کی ابتداء ماہ رمضان میں ہوئی تھی۔

(ب) نزول قرآن کی رات شب قدر تھی لیکن یہ کونسی تاریخ تھی؟ اس کے متعلق کچھ معلوم نہیں۔

(ج) اس کو لانے والا فرشتہ باعزت، بارعب اور اعلیٰ درجے کا امانتدار تھا اس لیے اس میں تحریف و تبدل کا شبہ کرنا بھی کفر ہے۔

سب سے پہلے نازل ہونے والی آیت

صحیح قول کے مطابق آنحضرت ﷺ پر سورۂ علق کی ابتدائی آیات سب سے پہلے اتریں، اس کے بعد تین سال تک سلسلہ وحی منقطع رہا، اس زمانے کو ''فترت وحی'' کا زمانہ کہتے ہیں، پھر تین سال بعد وہی فرشتہ جو غار حرا میں آیا تھا، حضور ﷺ کو زمین و آسمان کے درمیان دکھائی دیا اور اس نے آپ ﷺ کو سورہ مدثر کی ابتدائی آیات سنائیں۔

جمہور علماء کے نزدیک یہی بات زیادہ درست اور واضح ہے کہ سب سے پہلے سورہ علق کی ابتدائی آیات اور بعد میں سورہ مدثر کی ابتدائی آیات کا نزول ہوا جبکہ بعض علماء کا کہنا ہے کہ حضور ﷺ پر سب سے پہلے سورہ فاتحہ کا نزول ہوا اور بعض حضرات کا کہنا ہے کہ سب سے پہلے سورہ مدثر کی آیات کا نزول ہوا لیکن صحیح قول وہی ہے جو بیان ہو چکا ہے۔

مکی اور مدنی آیات

اکثر مفسرین کی اصطلاح کے مطابق مکی آیت وہ آیت ہے جو مدینہ منورہ کی طرف ہجرت سے پہلے پہلے نازل ہوئی اور مدنی آیت وہ آیت ہے جو ہجرت کے بعد نازل ہوئی خواہ وہ مکہ ہی میں نازل ہوئی ہو، یہ سمجھنا کہ مکی سے مراد وہ آیتیں ہیں جو مکہ میں نازل ہوئیں اور مدنی سے وہ جو مدینہ میں نازل ہوئی، سراسر غلط ہے۔

خلاصہ اور حاصل یہ ہے کہ مکی اور مدنی کی تقسیم بظاہر مقامات کے اعتبار سے ہے لیکن درحقیقت یہ تقسیم زمانہ نزول کے اعتبار سے ہے یعنی ہجرت سے پہلے کی آیات مکی اور بعد کی مدنی۔

اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست کوئی ایسی روایت منقول نہیں کہ جس سے سورتوں کے مکی اور مدنی ہونے کا پتہ چلے لیکن جن حضرات نے اپنی پوری زندگیاں خدمت قرآن میں صرف کردیں، انہوں نے یہ بھی بتلایا کہ فلاں سورت مکی ہے اور فلاں مدنی۔

چنانچہ خود حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

"رب کعبہ کی قسم! میں ہر ہر آیت کے بارے میں جانتا ہوں کہ وہ رات کو نازل ہوئی یا دن کو، میدانی علاقوں میں اتری یا پہاڑی علاقوں میں۔" (الاتقان ج۱ص۹)

اسی فقیہ الامت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

"قسم اس اللہ کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں، مجھے ہر ہر آیت کے بارے میں پتہ ہے کہ وہ کہاں اور کس لیے نازل ہوئی۔"

(بخاری:۵۰۰۲)

مکی اور مدنی آیتوں کی خصوصیات

علماء تفسیر نے مکی اور مدنی سورتوں کا بغور مطالعہ کر کے ان کی بعض ایسی خصوصیات ذکر کی ہیں جن سے یہ معلوم ہوسکتا ہے کہ یہ سورت مکی ہے یا مدنی، اس سلسلے میں بعض قواعد،

کلی ہیں اور بعض قواعد، اکثری ہیں۔

قواعد کلیہ

(۱) ہر وہ سورت جس میں لفظ ''کلا'' آیا ہے، وہ مکی ہے اور یہ لفظ پندرہ (۱۵) سورتوں میں ۳۳ مرتبہ استعمال ہوا ہے اور یہ سب آیات قرآن کے آخری نصف میں پائی جاتی ہیں۔

(۲) ہر وہ سورت جس میں آیت سجدہ ہو، وہ مکی ہے۔

(۳) سورہ بقرہ کے علاوہ ہر وہ سورت جس میں آدم علیہ السلام وابلیس کا ذکر ہے، وہ مکی ہے۔

(۴) ہر وہ سورت جس میں جہاد کی اجازت یا احکامات مذکور ہوں، وہ مدنی ہے۔

(۵) ہر وہ سورت جس میں منافقین کا ذکر ہے، وہ مدنی ہے۔

قواعد اکثریہ

مندرجہ ذیل خصوصیات عمومی اور اکثری ہیں یعنی کبھی کبھی ان کے خلاف بھی ہو جاتا ہے لیکن اکثر وبیشتر ایسا ہی ہوتا ہے۔

(۱) مکی سورتوں میں ''یاایھا الناس'' اور مدنی میں ''یاایھا الذی امنوا'' کہہ کر خطاب کیا گیا ہے۔

(۲) مکی سورتیں اور آیتیں عموماً چھوٹی ہیں جبکہ مدنی آیات وسور طویل ومفصل ہیں۔

(۳) مکی سورتیں زیادہ تر توحید، رسالت، اثبات آخرت، مناظرِ قیامت، تسلی وتسکینِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور قصص ماضیہ پر مشتمل ہیں، احکام وقوانین کا بیان ان میں بہت کم ہے جبکہ اس کے برعکس مدنی سورتوں میں خاندانی اور تمدنی قوانین، جہاد وقتال کے احکام اور حدود وفرائض بیان کیے گئے ہیں۔

(۴) مکی سورتوں میں زیادہ تر مقابلہ بت پرستوں سے ہے اور مدنی سورتوں میں

منافقین واہل کتاب سے۔

(۵) مکی سورتوں کا اسلوب بیان بہت پرجلال اور پرشکوہ ہے، ان کی عبارات مسجع اور مقفی ہیں، ان میں استعارات، تمثیلات وتشبیہات بہت زیادہ ہیں اور ذخیرہ الفاظ بہت وسیع ہے اس کے برعکس مدنی سورتوں کا اسلوب بیان انتہائی سادہ ہے۔

تقسیم آیات باعتبار زمان ومکان

آیات قرآنی میں مکی اور مدنی تقسیم کے علاوہ نزول کے مقام اور وقت کے لحاظ سے بھی مفسرین نے چند قسمیں بیان کی ہیں مثلاً ''حضری آیات'' ان آیتوں کو کہتے ہیں جو آنحضرت ﷺ کے وطن میں نازل ہوئیں، اکثر قرآنی آیات ایسی ہی ہیں نیز ''سفری آیات'' جو حالت سفر میں نازل ہوئیں۔ جیسے

﴿اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤی اَھْلِھَا﴾ (النساء:۵۸)

یہ آیت مکہ فتح کے سفر میں نازل ہوئی۔ علامہ سیوطیؒ نے الاتقان میں اس قسم کی چالیس آیات درج فرمائی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ مندرجہ ذیل اقسام بھی بیان کی گئی ہیں۔

(۱) آیات نہاری

یہ وہ آیات طیبات ہیں جو دن کے وقت نازل ہوئیں اور اکثر آیات اسی قسم سے تعلق رکھتی ہیں۔

(۲) آیات لیلی

یہ وہ آیات ہیں جو رات کے وقت نازل ہوئیں، مثلاً سورہ آل عمران کی آخری آیت، جبکہ علامہ سیوطیؒ نے اس کی مزید ایک درجن مثالیں ذکر کی ہیں۔

(۳) آیات صیفی

یہ وہ آیات ہیں جو موسم گرما میں نازل ہوئیں مثلاً سورہ نساء کی آخری آیت۔
ایک روایت سے یہ بھی ثابت ہے کہ یہ آیت حجۃ الوداع کے موقع پر نازل ہوئی، اس سے معلوم ہوا کہ حجۃ الوداع کے موقع پر جتنی آیات نازل ہوئیں، وہ سب صیفی تھیں۔ مثلاً

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ﴾ (المائدہ: ۳)

(۴) آیات شتائی

یہ وہ آیات ہیں جو موسم سرما میں اتریں مثلاً سورہ نور کی وہ آیات جن میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے والوں کی مذمت بیان کی گئی۔
اسی طرح غزوہ خندق کے بارے سورہ احزاب کی آیات بھی اسی قسم میں داخل ہیں اس لیے کہ غزوہ خندق موسم سرما میں ہوا تھا۔

(۵) آیات فراشی

یہ وہ آیات ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اس وقت نازل ہوئیں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بستر مبارک میں تھے چنانچہ سورہ مائدہ کی مشہور آیت "وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ" اسی حالت میں نازل ہوئی تھی۔

(۶) آیاتِ نومی

بعض حضرات نے آیات کی ایک قسم نومی بھی ذکر کی ہے۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ خاص کیفیت جو نیند کی حالت محسوس ہوتی تھی، چنانچہ صحیح مسلم میں اس کی ایک مثال موجود ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بیٹے کی وفات پر غمزدہ ہمارے درمیان تشریف فرما تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نیند کا ایک جھونکا آیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکراتے ہوئے سر مبارک کو بلند فرمایا اور فرمایا کہ ابھی ابھی مجھ پر ایک سورت نازل ہوئی ہے اور پھر ساقی کوثر صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی شیریں اور حلاوت بھری زبان سے سورہ کوثر کی تلاوت فرمائی۔
لیکن یہ بات مدنظر رہے کہ یہ حالت، نوم کی نہیں بلکہ نزول وحی کے وقت کبھی

کبھار ایک خاص اطمینان وتسلی کی کیفیت ہوتی تھی جسے ''اغفاءۃ'' کہتے ہیں۔

(۷) آیات سماوی

یعنی وہ آیات جو صاحب معراج ﷺ کے سفر معراج میں آسمان پر نازل ہوئیں، چنانچہ صحیح مسلم کی ایک روایت کے مطابق سورہ بقرہ کی آخری آیات سفر معراج میں سدرۃ المنتہی کے قریب نازل ہوئیں۔

(۸) آیات فضائی

ابن عربیؒ نے آیات کی ایک ایسی قسم بھی ذکر کی ہے جو نہ زمین پر اتری اور نہ آسمان پر، ان کا کہنا ہے کہ سورہ صفّت کی تین آیتیں ''ومامنا الاله مقام معلوم'' تا آخر اور سورہ زخرف کی ایک آیت ''وسئل من ارسلنا من قبلک'' بھی اسی قسم میں داخل ہے۔

نزول تدریجی کی حکمتیں

قرآن کریم دیگر کتب سماوی کی طرح یکبار نہیں بلکہ نجماً نجماً بقدر ضرورت نازل ہوتا رہا، اس نزول تدریجی پر اُس دور میں بھی اور اب بھی کچھ کفار کی جانب سے اعتراضات ہوتے ہیں، مفسر کبیر امام رازیؒ نے نزول تدریجی کی کچھ حکمتیں بیان کی ہیں جو دفع سوال کیلئے کافی ہیں۔

(۱) حضور ﷺ امی تھے، لکھتے پڑھتے نہیں تھے اس لئے اگر سارا قرآن ایک ہی مرتبہ نازل ہو جاتا تو اس کا یاد رکھنا اور ضبط کرنا دشوار ہوتا جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام لکھنا پڑھنا جانتے تھے اس لیے انہیں تورات یکبارگی دے دی گئی۔

(۲) اگر پورا قرآن ایک ہی مرتبہ نازل ہو جاتا تو تمام احکام کی پابندی فوراً شروع ہو جاتی اور یہ بات اس حکیمانہ تدریج کے خلاف ہوتی جو شریعت میں ملحوظ ہے۔

(۳) حضور ﷺ کو ہر روز نئی سے نئی تکلیف دی جاتی تھی، ان تکالیف کے مقابلے میں آہستہ آہستہ قرآن کا اترنا تقویت قلب کا سبب بنتا تھا۔

(۴) قرآن کریم کا ایک بہت بڑا حصہ لوگوں کے سوالات کے جوابات اور مختلف واقعات سے متعلق ہے، اس لیے ان آیات کے نزول کا مناسب وقت وہی تھا جس وقت وہ سوالات کیے گئے، اس سے مسلمانوں کی بصیرت بھی بڑھتی تھی اور قرآن کی حقانیت مزید واضح ہوتی تھی۔

ترتیب نزول اور موجودہ ترتیب

قرآن کریم جس ترتیب سے آج موجود ہے، حضور ﷺ پر اس ترتیب سے نازل نہیں ہوا بلکہ ضرورت اور حالات کے مطابق احکام کا نزول ہوتا تھا، اسی لئے نزول کی ترتیب اس سے بہت مختلف تھی۔

ہوتا یہ تھا کہ جب کوئی آیت نازل ہوتی تھی تو حضور ﷺ کاتبین وحی کو یہ بھی بتا دیتے تھے کہ اس آیت کو فلاں سورت میں فلاں مقام پر رکھ لیا جائے۔ ترتیب نزول کو نہ تو حضور ﷺ نے محفوظ رکھنا چاہا اور نہ ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کی کوشش کی، لہٰذا اب جزوی طور پر بعض سورتوں یا آیات کے متعلق تو معلوم ہو سکتا ہے کہ ان کی ترتیب نزول کیا تھی؟ لیکن پورے قرآن کریم کے متعلق یقین سے ترتیب نزول معلوم نہیں ہو سکتی۔

خلاصہ

یہ کہ ترتیب کے متعلق اہل علم کی دو رائیں ہیں، بعض حضرات کا کہنا ہے کہ موجودہ ترتیب بھی بذریعہ وحی بتائی گئی تھی اور بعض حضرات کا کہنا ہے کہ اسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے اجتہاد سے معین کیا ہے۔ البتہ زیادہ درست اور قرین قیاس یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ بعض سورتوں کی ترتیب تو بذریعہ وحی معلوم ہوئی جبکہ بعض سورتوں کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے اجتہاد سے مرتب کیا، مثلاً سورہ توبہ کے بارے کوئی واضح ہدایت موجود نہ تھی۔ اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے اپنے اجتہاد سے سورہ انفال کے بعد رکھا۔

اسباب نزول

مجموعی طور پر قرآن کریم کی آیات دو قسم کی ہیں، ایک تو وہ جن کے پس منظر میں کوئی خاص واقعہ یا سوال موجود نہیں اور دوسری وہ کہ جن کا نزول کسی خاص واقعے یا سوال کے جواب میں ہوا ہو، یہ پس منظر اصطلاح مفسرین میں ''سبب نزول'' یا ''شان نزول'' کہلاتا ہے۔

شان نزول کی اہمیت اور اس کے فوائد

بعض ایسے لوگ اور نام نہاد مفسر جنہیں علوم میں پختگی نہیں اور نہ ہی انہیں اس میں کوئی رسوخ حاصل ہوتا ہے، اسباب نزول کی اہمیت سے انکار کرتے ہوئے یوں کہتے ہیں کہ قرآن خود اتنا واضح اور روشن ہے کہ اسے سمجھنے کیلئے کسی سبب کو جاننے کی ضرورت نہیں لیکن ان کا یہ خیال بالکل غلط اور باطل ہے، اس لیے کہ اسباب نزول کا علم تفسیر قرآن کیلئے لازمی شرط کی حیثیت رکھتا ہے اور اس کے بے شمار فوائد ہیں۔

مثلاً سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس سے احکام کی حکمتیں معلوم ہوتی ہیں اور پتہ چلتا ہے کہ اللہ نے یہ حکم کیوں اور کن حالات میں نازل فرمایا؟ مثلاً سورہ نساء میں ارشاد فرمایا کہ ''اے ایمان والو! نماز کے قریب بھی مت جاؤ جبکہ تم نشے میں ہو۔'' اب اگر شان نزول سامنے نہ ہو تو ذہن الجھ کر رہ جائے کہ شراب حرام ہے پھر یہ کیوں کہا کہ نشے کی حالت میں نماز نہ پڑھو، اس سوال کا جواب سوائے شان نزول کے کہیں سے نہیں مل سکتا اور وہ یہ ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حرمت شراب سے قبل حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے دعوت کی، دعوت کے بعد شراب کا دور چلا، اسی اثنا میں نماز مغرب کا وقت ہوا، ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے امامت کی اور سورہ کافرون کی تلاوت کی اور اس میں ''لا اعبد ما تعبدون'' کی جگہ ''اعبد ما تعبدون'' پڑھ بیٹھے، اس کے بعد سے یہ حکم نازل ہوا۔

بحث حروف سبعہ

صحیح بخاری شریف کی حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

﴿ان هذا القرآن انزل علی سبعة احرف فاقرء وا ماتیسر منه﴾ (بخاری:۴۹۹۲)

''یعنی یہ قرآن سات حروف پر نازل کیا گیا ہے، اس میں سے جو تمہارے لیے آسان ہو، اس طریقے سے پڑھ لو۔''

اس حدیث مبارکہ میں قرآن کریم کے سات حروف پر نازل ہونے سے کیا مراد ہے؟ یہ بڑی معرکۃ الآ راء اور بلا مبالغہ علوم قرآن کے مشکل ترین مباحث میں ہے اور کفار و اغیار کی طرف سے اس حدیث کو غلط معنی پہنا کر قرآن کی حقانیت وصداقت کو متزلزل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے جبکہ کچھ کم علم سرے سے اس حدیث کے وجود ہی کا انکار کر دیتے ہیں حالانکہ مذکورہ بالا حدیث باعتبار معنی، متواتر ہے اور متعدد محدثین نے یہ واقعہ ذکر کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے بر سر منبر یہ اعلان فرمایا کہ وہ حضرات جنہوں نے حضور ﷺ سے یہ روایت سنی ہو، کھڑے ہو جائیں تو اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اتنی بڑی جماعت کھڑی ہوگئی جسے شمار نہیں کیا جاسکا اور یہ بات اس روایت کی صحت کیلئے کافی ہے۔ (النشر بحوالہ علوم القرآن ص ۹۸)

یوں تو اس حدیث کی تشریح میں بے شمار اقوال و ابحاث پائی جاتی ہیں لیکن ان سب کو جمع کرنے سے بطور خلاصہ مندرجہ ذیل تشریح سامنے آتی ہے اور یہی اس قول کی راجح ترین تشریح و تفصیل ہوگی۔

مذکورہ بالا حدیث مبارکہ میں اختلاف حروف سے مراد اختلاف قرأت ہے اور سات حروف سے مراد قرأت کی سات نوعیتیں ہیں چنانچہ قرأتیں تو سات سے زائد ہیں لیکن ان میں پائے جانے والے اختلافات سات اقسام میں منحصر ہیں اور وہ سات اختلافات یہ ہیں۔

(۱) اختلاف مفرد و جمع

یعنی ایک قرأت میں لفظ مفرد آیا ہو اور دوسری قرأت میں صیغہ جمع ہو مثلاً '' و

تمت کلمة ربک'' اور'' وتمت کلمٰت ربک''

(۲) اختلاف تذکیر وتانیث

یعنی ایک قراٴت میں لفظ مذکر آیا ہو اور دوسری میں مونث جیسے'' لا یقبل اور لاتقبل''

(۳) اختلاف وجوہ اعراب

یعنی زیر، زبر تبدیل ہو جائے جیسے'' هل من خالق غیرُ اللّٰه'' اور'' غیرِ اللّٰه''

(۴) اختلاف ہیئت صرفی

جیسے'' یَعْرِشون'' اور'' یُعَرِّشون''

(۵) اختلاف ادوات (حروف نحویہ)

جیسے'' لٰکنَّ الشیٰطینَ اور'' لٰکنِ الشیٰطینُ''

(۶) اختلاف حروف

یعنی لفظ کا ایسا اختلاف کہ جس سے حروف تبدیل ہو جائیں۔ جیسے '' یعلمون'' اور'' تعلمون''

(۷) لہجوں کا اختلاف

جیسے تخفیف، تفخیم، امالہ، مد، قصر، اظہار وادغام وغیرہ۔

فن قراٴت کے مشہور محقق، ابن جزریؒ فرماتے ہیں کہ میں اس مسئلے میں تیس سال حیران وسرگرداں رہا پھر مجھ پر یہ مذکورہ بالا باتیں منکشف ہوئیں اور میرا شرح صدر ہوا۔

(بحوالہ مذکورہ)

نتائج بحث

حروف سبعہ کی عظیم الشان اور طویل ترین ابحاث کا نتیجہ مندرجہ ذیل چند نکات

کی شکل میں نکالا جاتا ہے تاکہ اسے یاد رکھنا آسان رہے۔

(۱) امت کی آسانی کی خاطر آنحضرت ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے یہ فرمائش کی کہ تلاوت قرآن کو ایک طریقے میں منحصر نہ رکھا جائے بلکہ اسے مختلف طریقوں سے پڑھنے کی اجازت دی جائے چنانچہ قرآن کریم سات حروف پر نازل ہوا جس سے مراد سات لہجے بھی ہیں۔

(۲) سات حروف پر نازل کرنے کا راجح ترین مطلب یہ ہے کہ اس کی قرأت میں سات نوعیتوں کے اختلافات رکھے گئے جن کے تحت بہت سی قرأتیں وجود میں آگئیں۔

(۳) ابتداء میں ان وجوہ اختلاف میں سے اختلافِ الفاظ بہت عام تھا یعنی ایسا بکثرت تھا کہ ایک قرأت میں ایک لفظ ہوتا اور دوسری میں اس کا ہم معنی کوئی اور لفظ، لیکن آہستہ آہستہ اہل عرب قرآنی زبان سے مکمل طور پر مانوس ہوگئے تو یہ قسم بالکل ختم ہوگئی۔ یہاں تک کہ جب آنحضرت ﷺ نے اپنی وفات سے پہلے والے رمضان میں جبریل امین علیہ السلام کے ساتھ قرآنِ کریم کا آخری دور کیا، جسے اصطلاح میں ''عرضہ اخیرہ'' کہتے ہیں، اس آخری دور میں اس قسم کے اختلافات لفظی بہت کم کردیئے گئے اور زیادہ تر صیغوں کی بناوٹ، تذکیر وتانیث، افراد وجمع، معروف ومجہول، تلفظ اور لہجے کے اختلافات باقی رہے۔

(۴) جتنے اختلافات عرضہ اخیرہ کے وقت باقی رہ گئے تھے، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ان سب کو اپنے مصاحف میں اس طرح جمع فرمادیا کہ انہیں غیر منقوط اور بلا اعراب چھوڑ دیا، لہٰذا قرأتوں کے بہت سے اختلافات اس میں سما گئے اور جو قرأتیں اس طرح سے ایک مصحف میں نہ آسکیں، انہیں دوسرے مصاحف میں ظاہر کردیا۔

(۵) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم کے مطابق کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کی نگرانی میں خود اپنے زیر انتظام اس طرح کے سات مصاحف لکھوائے

اوران میں سورتوں کو بھی مرتب فرمایا جبکہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے صحیفے میں سورتیں غیر مرتب تھیں اور قرآن کریم کے لکھنے کیلئے ایک رسم الخط معین فرمایا اور جو نسخے اس رسم الخط کے خلاف تھے ان سب کو تلف کروا دیا تا کہ قیامت تک کیلئے قرآن کریم میں تحریف وتبدل کا دروازہ بند ہو جائے اور یہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا امت پر احسان عظیم ہے۔

فقیہہ الامت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنا مرتب کردہ نسخہ باقی رکھنا چاہا تھا، اس لیے انہوں نے وہ نسخہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حوالے نہ کیا لیکن یہ انتخاب خداوندی ہے کہ پوری دنیا میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مرتب ونشر کردہ قرآن کریم جاری وساری ہے۔

مذکورہ بالا بحث کے متعلق ایک غلط فہمی اور اس کا ازالہ

''سبعۃ احرف'' کی بحث پڑھنے والا سرسری طور پر اس شبہ میں مبتلا ہو سکتا ہے کہ ایسی کتاب جس کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ نے لیا ہو، اس میں ایسا زبردست اختلاف کیسے پیدا ہو گیا؟ اگر تعصب اور عناد کو ایک طرف رکھ کر دیکھا جائے تو یہ بات بالکل واضح اور روشن ہے کہ یہ اختلاف محض نظریاتی نوعیت کا ہے، عملی اعتبار سے قرآن کریم کی حقانیت وصداقت اور وعدہ حفاظت، پر ذرہ برابر کوئی اثر نہیں پڑتا اس لیے کہ یہ بات بالاتفاق مسلم ومعین ہے کہ قرآن کریم موجودہ شکل میں ہمارے پاس کسی ادنی تغیر کے بغیر متواتر چلا آرہا ہے اور اس پر بھی پوری امت کا اجماع ہے کہ جو متواتر قرأتیں ہم تک پہنچی ہیں وہ سب کی سب صحیح ہیں، ان کے علاوہ جو شاذ قرأتیں ہیں انہیں جزو قرآن قرار نہیں دیا جا سکتا، یہ بات بھی ہر قسم کے شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ قرآن کریم کے سات حروف میں اختلاف صرف لفظی تھا، باعتبار مفہوم ومعنی تمام حروف بالکل متفق ومتحد تھے۔

نیز حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے کامل احتیاط اور مکمل دیانتداری سے جو نسخے مرتب کرائے تھے، پوری امت مسلمہ کی تصدیق کے ساتھ ویسے ہی لکھا گیا جیسے حضور صلی اللہ علیہ

پر نازل ہوا تھا، اگرچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے صحیفے کو برقرار رکھنے پر اصرار کیا لیکن مصحف عثمانی کی صحت پر ذرہ برابر تردد و تشکیک کا اظہار نہ کیا۔

جب پوری امت اس بات پر متفق ہے کہ مصحف عثمانی میں قرأتیں صحیح اور منزل من اللہ ہیں تو ایسے واضح اور روشن حقائق کی موجودگی میں چند چھوٹے چھوٹے نظریاتی اختلافات، حقانیت وصداقت قرآن کے لئے کوئی رکاوٹ نہیں بن سکتے۔

﴿بحث ناسخ ومنسوخ﴾

علم تفسیر اور علوم قرآن میں ایک اہم ترین بحث ناسخ ومنسوخ کی ہے، یہ بحث اگرچہ بہت طویل اور پہلودار ہے لیکن یہاں صرف بطور معلومات چند باتیں ذکر کرنا مقصود ہیں۔

نسخ کا لغوی معنی

نسخ کا لغوی معنی ہے مٹانا اور ازالہ کرنا۔

نسخ کی اصطلاحی تعریف

﴿رفع الحکم الشرعی بدلیلٍ شرعی متاخر﴾ (تفسیر ابن کثیر ج ا ص ۱۹۹)

''کسی حکم شرعی کو کسی بعد میں آنے والی دلیل شرعی سے ختم کرنا۔''

مطلب یہ ہے کہ بعض مرتبہ اللہ تعالیٰ کسی زمانے میں اس کے مناسب ایک حکم نازل فرماتا ہے پھر اپنی حکمت بالغہ کے پیش نظر اس حکم کو ختم کر کے کوئی نیا حکم نافذ فرماتا ہے، اس عمل کو ''نسخ'' کہتے ہیں اور اس طرح سے جو پرانا حکم ختم ہوتا ہے اسے ''منسوخ'' کہتے ہیں اور جو نیا حکم آتا ہے اسے ''ناسخ'' کہتے ہیں۔

نسخ کا عقلی ونقلی ثبوت

عقلی طور پر نسخ کی مثال مریض اور طبیب سے بآسانی سمجھ آسکتی ہے اس لیے کہ عقلمند طبیب وہی ہوگا جو مریض کے مناسب حال نسخہ تجویز کرتا جائے، مریض کو صرف ایک

نسخے پر چلانا عقلمندی کا ثبوت نہیں پھر حکیم مطلق اللہ تعالیٰ سے یہ توقع کیسے کی جاسکتی ہے کہ وہ اپنے بندوں کے مناسب حال نسخہ تجویز نہ کرے۔

مسئلہ نسخ اللہ کی عین حکمت وشفقت پر دال ہے نہ کہ اسلام کی کسی کجی اور کمی پر، مسئلہ نسخ کے متعلق یہود ونصاریٰ کا یہ اعتراض کرنا کہ اس سے اللہ کے فیصلے میں تبدیلی لازم آتی ہے، جسے اصطلاح میں "بداء" کہتے ہیں، سراسر لغو اور باطل ہے اس لیے کہ یہ مسئلہ صرف احکام شرع میں نہیں بلکہ پورا نظام کائنات اسی مسئلے کے اردگرد گھوم رہا ہے اور کارخانہ کائنات اسی اصول پر کارفرما ہے، کیا آپ دیکھتے نہیں کہ کبھی گرمی اور کبھی سردی، کبھی بہار اور کبھی خزاں، کبھی قحط اور کبھی خوشحالی، یہ سارے تغیرات حکمت خداوندی کے مطابق ہیں، اگر کوئی شخص اسے "بداء" قرار دے تو اسے سوائے "احمق" کے اور کیا کہہ سکتے ہیں؟ کیا اس سے اللہ کی رائے میں تبدیلی لازم آتی ہے کہ پہلے اس نے گرمی کو پسند کیا پھر غلطی واضح ہوگئی تو سردی بھیج دی؟ جب نظام تکوین میں یہ تبدیلی عیب نہیں تو نظام تشریع میں اسے عیب کیوں سمجھا جاتا ہے؟

نسخ کی مثال امم سابقہ میں

احکام شرع میں تبدیلی صرف امت مسلمہ کے ساتھ خاص نہیں، امم سابقہ میں بھی اس کی مثالیں بکثرت ملتی ہیں چنانچہ موجودہ بائبل میں ہے کہ شریعت یعقوبی میں دو بہنوں کو ایک ساتھ نکاح میں رکھنا جائز تھا لیکن شریعت موسوی میں اسے ناجائز قرار دیا گیا، حضرت نوح علیہ السلام کی شریعت میں ہر چلتا پھرتا جاندار جلال تھا لیکن شریعت موسوی میں بہت سے جانور حرام کردیئے گئے، شریعت موسوی میں طلاق کی عام اجازت تھی جبکہ شریعت عیسوی میں عورت کے زانیہ ہونے کے سوا کسی صورت میں طلاق کی کوئی اجازت نہ تھی۔ غرض موجودہ محرف بائبل کے عہد نامہ قدیم وجدید میں ایسی سینکڑوں مثالیں موجود ہیں جن سے گزشتہ احکام کا نسخ معلوم ہوتا ہے، جب یہ کام امم سابقہ میں عیب نہیں تو امت مسلمہ کیلئے باعث اعتراض کیوں ہے؟

اصطلاحِ متقدمین ومتاخرین درمسئلہ نسخ

لفظ نسخ کے استعمال میں علماء متقدمین ومتاخرین میں ایک اصطلاح کا فرق رہا ہے جسے سمجھنا بہت ضروری ہے۔

متقدمین کی اصطلاح میں لفظ نسخ ایک وسیع مفہوم کا حامل تھا اوراس میں بہت سی وہ صورتیں شامل تھیں جو بعد میں نسخ نہ کہلائیں مثلاً متقدمین کے نزدیک عام کی تخصیص اور مطلق کی تقیید بھی نسخ کے مفہوم میں شامل تھی۔ چنانچہ اگر ایک آیت میں عام الفاظ استعمال کیے گئے اور دوسری میں اس مفہوم کو خاص کردیا گیا تو متقدمین کی اصطلاح میں اسے نسخ سمجھا جاتا تھا، پہلی کو منسوخ اور دوسری کو ''ناسخ'' کہا جاتا تھا۔

اس کے برعکس علماء متاخرین کی اصطلاح میں نسخ کا مفہوم اتنا وسیع نہیں ہے، وہ صرف اورصرف اس صورت کو نسخ قرار دیتے ہیں جس میں حکم سابقہ کو بالکلیہ ختم کردیا جائے، وہ محض عام کی تخصیص اور مطلق کی تقیید کو نسخ قرار نہیں دیتے۔

اصطلاح کے اسی فرق کی وجہ سے متقدمین کے نزدیک آیات منسوخہ کی تعداد بہت زیادہ تھی جبکہ متاخرین کے نزدیک آیات منسوخہ کی تعداد بہت کم ہے چنانچہ امام انقلاب، مفسر اعظم، حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اصول تفسیر پر اپنی بے نظیر و بے مثال کتاب ''الفوز الکبیر'' میں آیات منسوخہ کی تعداد صرف پانچ شمار کرتے ہیں، علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے آیات منسوخہ کی تعداد ۱۹ تحریر فرمائی ہے، جنہیں مختصر کرکے حضرت شاہ صاحبؒ نے صرف پانچ کو منسوخ قرار دیا جو مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) ''كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ'' (سورہ بقرہ آیت نمبر ۱۸۰)

یہ حکم بعد میں آیت میراث یعنی ''يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْ اَوْلَادِكُمْ'' سے منسوخ ہوا۔

(۲) ''اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صَابِرُوْنَ'' (سورۂ انفال: ۶۵) یہ حکم سورۂ انفال کی اگلی آیت ''اَلْاٰنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ'' کے ذریعے منسوخ ہوا۔

(۳) "لَا یَحِلُّ لَکَ النِّسَآءُ مِنْ بَعْدُ" (سورہ احزاب آیت نمبر ۵۱)

اس آیت میں حضور ﷺ کو مزید نکاح کرنے سے روک دیا گیا تھا، بعد میں یہ حکم منسوخ کر دیا گیا اور اس کی ناسخ سورہ احزاب کی آیت نمبر ۵۰ ہے جو موجودہ ترتیب کے مطابق منسوخ سے پہلے ذکر ہے یعنی "یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّا اَحْلَلْنَا لَکَ"

(۴) "یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ" (سورہ مجادلہ آیت نمبر ۱۲)

اس آیت کریمہ میں مسلمانوں کو یہ کہا گیا تھا کہ حضور ﷺ سے کچھ کہنے سے پہلے صدقہ وخیرات دینا چاہیے پھر یہ حکم اگلی آیت "ءَ اَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ" سے منسوخ ہو گیا۔

(۵) سورہ مزمل کی ابتدائی آیات میں رات کے کم از کم آدھے حصے تک تہجد کی نماز کا حکم دیا گیا، اگلی آیات میں اس حکم میں آسانی پیدا کر کے سابقہ حکم کو منسوخ کر دیا گیا اور وہ سورہ مزمل کی آیت نمبر ۲۰ ہے یعنی

"عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ

یہ وہ پانچ آیات ہیں جن میں حضرت شاہ صاحبؒ کے قول کے مطابق نسخ ہوا ہے۔ لیکن یہ بات واضح رہے کہ یہ پانچ مثالیں صرف اس صورت میں ہیں کہ جس میں ناسخ ومنسوخ دونوں قرآن کریم میں موجود ہوں، اس کے علاوہ بالاتفاق قرآن میں ایسی مثالیں موجود ہیں جن میں ناسخ تو قرآن کریم میں ہے لیکن منسوخ موجود نہیں مثلاً آیات تحویل قبلہ۔

حاصل کلام

مذکورہ بالا بحث سے اصل مقصد یہ بتانا تھا کہ آیات قرآنی میں نسخ کوئی عیب نہیں بلکہ عین حکمت الٰہی کا تقاضا ہے لہٰذا کسی آیت کی کسی تفسیر کو محض اس بنیاد پر رد کر دینا کہ اس سے قرآن کریم میں نسخ لازم آتا ہے، درست نہیں بلکہ اصول تفسیر کے مطابق جو تفسیر راجح ہو اسے اختیار کر لینے میں کوئی قباحت نہیں، خواہ اس سلسلے میں آیت کو منسوخ قرار دینا پڑتا ہو۔

اقدامات تسہیل تلاوت

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے جمع ونشرِ قرآن کے عظیم الشان کارنامے کے بعد امت کا اس پر اجماع ہے کہ قرآن کریم کو رسم عثمانی کے خلاف کسی اور طریقے سے لکھنا جائز نہیں اور اسی پر تواتر کے ساتھ عمل ہوتا رہا ہے، اسلام کی اشاعت کے بعد جن ممالک میں عربی کا رواج نہ تھا، وہاں تلاوت قرآن میں دشواری پیش آئی۔ اس سلسلے میں تلاوت میں تسہیل وتسکین پیدا کرنے کیلئے کچھ اقدامات کیے گئے جن کی مختصر وضاحت حسب ذیل ہے۔

نقطے

اہل عرب میں ابتداءً حروف پر نقطے لگانے کا رواج نہ تھا، لکھنے والا خالی حروف پر اکتفاء کرتا اور پڑھنے والے کو کوئی مشکل پیش نہ آتی بلکہ نقطے ڈالنے کو معیوب سمجھا جاتا، اور اہل عرب کا ایک مقولہ تھا کہ کثرت سے نقطے ڈالنا، لکھنے والے کی بیوقوفی کی علامت ہے چنانچہ مصاحف عثمانی بھی نقطوں سے خالی تھے لیکن بعد میں کم پڑھے لکھے عرب اور عجمی مسلمانوں کی سہولت کے لئے قرآن کریم پر نقطے ڈالے گئے۔

یہ کام سب سے پہلے کس نے کیا؟

اس میں اختلاف ہے، بعض مورخین کے مطابق یہ کارنامہ سب سے پہلے ابوالاسودؒ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حکم کے مطابق سرانجام دیا اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ حجاج بن یوسف نے حضرت حسن بصریؒ اور عاصم لیثیؒ جیسے بڑے لوگوں سے یہ کام کروایا۔

نقطوں کی ایجاد اگرچہ بہت پہلے ہو چکی تھی اور انہیں سب سے پہلے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے دادا نے استعمال کیا، انہوں نے یہ فن حیرہ کے رہنے والوں سے سیکھا تھا اور اہل حیرہ نے یہ فن اہل انبار سے سیکھا تھا، غرضیکہ نقطوں کی ایجاد تو بہت پہلے ہو چکی تھی لیکن متعدد مصلحتوں کے تحت قرآن کریم کو نقطوں سے خالی رکھا گیا جن میں سب

سے بڑی مصلحت یہ تھی کہ مختلف قراٗتیں اس میں سما سکیں، معلوم ہوا کہ جس کسی نے سب سے پہلے قرآن کریم میں نقطوں کو استعمال کیا وہ ''موجد نُقط'' نہیں بلکہ ''اول مستعمل'' ہے۔

فائدہ

ایک روایت کے مطابق عربی رسم الخط کے موجد قبیلہ بولان کے مرامر بن مرہ، اسلم بن سدرہ اور عامر بن جدرہ ہیں۔

مرامر نے حروف کی صورتیں ایجاد کیں، اسلم نے فصل، وصل کے طریقے وضع کیے اور عامر نے نقطے بنائے۔

حرکات

شروع شروع میں قرآن کریم نقطوں کی طرح حرکات سے بھی خالی تھا اور اس سلسلے میں بھی مختلف روایات ہیں کہ سب سے پہلے حرکات کس نے لگائیں، تمام روایات کو سامنے رکھتے ہوئے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے ابوالاسود دُوَلی ؒ نے حرکات وضع کیں لیکن یہ حرکات ایسی نہ تھیں جیسی آج کل معروف ہیں بلکہ زبر کیلئے حرف کے اوپر ایک نقطہ لگایا جاتا، زیر کے لیے نیچے نقطہ لگایا جاتا اور پیش کیلئے سامنے نقطہ لگایا جاتا اور تنوین کیلئے اسی طرح دو نقطے لگائے جاتے۔

بعد میں خلیل بن احمد نے ہمزہ اور تشدید کی علامات وضع کیں، اس کے بعد حجاج بن یوسف نے یحییٰ بن یعمرؒ، نصر بن عاصمؒ اور حسن بصریؒ سے بیک وقت قرآن کریم پر نقطے اور حرکات لگانے کی فرمائش کی، اس موقع پر حرکات کے اظہار کیلئے نقطوں کی جگہ موجودہ حرکات وجود میں آئیں۔

منزلیں/احزاب

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعینؒ کا معمول تھا کہ وہ ہر ہفتے ایک قرآن ختم کر لیتے تھے، اس مقصد کیلئے انہوں نے روزانہ ایک مقدار مقرر کر رکھی تھی جسے ''حزب'' یا ''منزل'' کہا جاتا تھا، اس طرح قرآن کریم کو کل سات منزلوں پر تقسیم کیا گیا تھا۔

حضرت اوس بن حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا کہ آپ نے قرآن کریم کے کتنے حزب بنائے ہوئے ہیں؟ انہوں نے جواباً فرمایا پہلا حزب تین سورتوں کا، دوسرا پانچ کا، تیسرا سات کا، چوتھا نو کا، پانچواں گیارہ کا، چھٹا تیرہ کا اور آخری منزل مفصل میں سورہ ق سے سورہ ناس تک۔

قرآن کریم کے اجزاء/ پارے

قرآن کریم تیس اجزا پر منقسم ہے جنہیں تیس پارے کہا جاتا ہے، یہ تقسیم باعتبار معنی نہیں بلکہ پڑھنے، پڑھانے میں آسانی کیلئے اسے تیس برابر حصوں میں تقسیم کر دیا گیا، یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات بالکل ادھوری بات پر پارہ ختم ہو جاتا ہے۔

یقین کے ساتھ یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ سب سے پہلے یہ تقسیم کس نے کی؟ بعض حضرات کا خیال ہے کہ یہ تقسیم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے کروائی، لیکن اس کی کوئی دلیل نہیں، زیادہ انسب واسلم بات یہ ہے کہ یہ تقسیم عہد صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد سہولت تعلیم کیلئے کی گئی۔

رکوع

ایک اور علامت جس کا رواج بعد میں ہوا اور آج تک جاری ہے، وہ علامت رکوع ہے۔ پاروں کی تقسیم کے برخلاف رکوع کی تقسیم باعتبار معنی کی گئی ہے یعنی جہاں ایک سلسلہ کلام ختم ہوا وہاں حاشیہ پر رکوع کی علامت ''ع'' بنادی گئی۔

اس کی ابتداء کب اور کیسے ہوئی؟ اس بارے کچھ معلوم نہیں البتہ کچھ حضرات کا خیال ہے کہ یہ سلسلہ بھی مصحف عثمانی سے شروع ہوا مگر اتنی بات یقینی ہے کہ اس علامت کا مقصد آیات کی ایسی درمیانی مقدار کو معین کرنا ہے جو ایک رکعت میں پڑھی جاسکے اور اسے رکوع اس لیے کہتے ہیں کہ نماز میں اس جگہ پہنچ کر رکوع کیا جائے چنانچہ فقہاء نے یہ لکھا ہے کہ مشائخ نے قرآن کریم کو مختلف رکوعات پر تقسیم کیا تا کہ نمازوں میں اور خصوصاً نماز تراویح میں قرآن کریم کا پڑھنا، یاد کرنا اور ختم کرنا آسان ہو سکے۔

طباعت قرآن کریم

جب تک پریس ایجاد نہیں ہوا تھا، قرآن کریم کے نسخے قلم سے لکھے جاتے تھے اور ہر زمانے میں کاتبین کی ایک ایسی جماعت ہمہ وقت مصروف عمل رہتی تھی جو بہتر سے بہتر انداز میں قرآن کریم کو لکھ کر پیش کر سکے حتیٰ کہ سلاطین وقت بھی اس مشغلے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے جس کی واضح مثال سلطان محی الدین اورنگ زیب عالمگیرؒ ہے۔

اس سلسلے میں مسلمانوں نے فن کتابت کے ذریعے قرآن کریم کی جو خدمات سر انجام دی ہیں وہ ایسی عظیم الشان اور بے مثال و مقطوع النظیر ہیں کہ جن سے دیگر ادیان و مذاہب بالکل خالی اور عاری ہیں۔

پریس کی ایجاد کے بعد سب سے پہلے ۱۱۱۳ھ میں ''ہیمبرگ'' کے مقام پر قرآن کریم کا سب سے پہلا نسخہ طبع ہوا جس کا ایک نسخہ اب تک مصر میں موجود ہے اس کے بعد متعدد مستشرقین نے قرآن کریم کے نسخے چھپوا کر اسلامی دنیا میں تقسیم کرانا چاہے مگر انہیں شرف قبولیت حاصل نہ ہوسکا، اس کے بعد مسلمانوں میں سب سے پہلے ترکی کے حکمران مولائے عثمان نے روس کے شہر سینٹ پیٹرس برگ میں ۱۷۸۷ء میں قرآن کریم کا ایک نسخہ طبع کروایا۔

۱۸۲۸ء میں ایران کے شہر تہران میں سب سے پہلے قرآن کریم کو پتھر پر چھاپا گیا، پھر اس کے ذریعے پوری دنیا میں مطبوعہ نسخے عام ہو گئے۔

فن قرأت، اس کی تدوین اور قراء کرام

''سبعۃ احرف'' کی بحث میں گذر چکا ہے کہ تلاوت میں سہولت کیلئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو مختلف قرأتوں میں نازل فرمایا تھا، اختلاف قرأت سے معنی آیات میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی لیکن تلاوت اور حروف کی ادائیگی میں فرق ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے بہت سے لوگوں کیلئے آسانی پیدا ہو جاتی ہے، مصاحف عثمانی کو نقاط و حرکات سے اسی لیے خالی رکھا گیا تھا تاکہ اس میں تمام مسلم قرأتیں سما سکیں۔

چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جب یہ مصاحف مختلف ممالک میں بھیجے توان کے ساتھ وہ قراء بھی بھیجے جوان کی تلاوت کرسکیں اورلوگوں کوسکھاسکیں، چنانچہ جب یہ قراء مختلف علاقوں میں پہنچے توان کی قرأتیں مختلف جگہوں میں پھیل گئیں، اس موقع پر کچھ لوگوں نے ان مختلف قرأتوں کوسیکھنے اورسکھانے کیلئے زندگی وقف کردی اوریوں علم قرأت کی بنیاد پڑگئی۔ گویا عالم اسلام کے باقاعدہ اور باضابطہ سب سے پہلے دارالتجوید کا آغاز بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں ہوااور ہر خطے کے لوگ اس میں کمال حاصل کرنے کیلئے ائمہ قرأت کی طرف رجوع کرنے لگے پھرکسی نے صرف ایک قرأت یادکی اوربعض نے سات اوراس سے زیادہ یادکیں لیکن اس میں ایک اصول اورضابطہ طے تھا کہ صرف وہ قرأت بطورقرآن قبول کی جائے گی جس میں یہ تین شرائط پائی جائیں۔

(۱) مصاحف عثمانی میں بطوررسم الخط اس کی گنجائش ہو۔

(۲) قواعدصرف ونحو کے مطابق ہو۔

(۳) حضورﷺ سے بسند صحیح ثابت ہواورائمہ قرأت میں مشہورہو۔

جس قرأت میں ایک بھی شرط مفقودہو، اسے صحیح نہیں سمجھا جاتا تھااورنہ ہی اس کو قبول کیاجاتا تھا۔

قراءسبعہ

سات قرأحضرات کی قرأت زیادہ مشہورہوئی، جن کے مختصر حالات مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) عبداللہ بن کثیرالداریؒ (التوفی ۱۲۰ھ)

آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے حضرت انس، ابن زبیراورابوایوب انصاری رضی اللہ عنہم کی زیارت کی تھی۔

آپ کی قرأت مکہ مکرمہ میں زیادہ مشہورہوئی۔

(۲) نافع بن عبدالرحمٰن بن ابی نُعَیم (التوفی ۱۶۹ھ)

آپ نے ستر ایسے تابعین سے استفادہ کیا جو براہ راست حضرت ابن عباس، ابو ہریرہ اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہم کے شاگرد تھے، آپ کے راویوں میں ابو موسیٰ قالونؒ اور ابوسعید ورشؒ المتوفی ۱۹۷ھ زیادہ مشہور ہوئے۔

(۳) عبداللہ المعروف بابن عامرؒ (المتوفی ۱۱۸ھ)

آپ نے حضرت نعمان بن بشیر اور واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہما کی زیارت کی تھی اور فن قرأت مشہور تابعی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے شاگرد رشید مغیرہ بن شہاب سے حاصل کیا۔

آپ کی قرأت کا زیادہ رواج ملک شام میں رہا۔

(۴) ابوعمرو بن علاء بن عمارؒ (المتوفی ۱۵۴ھ)

آپ نے حضرت مجاہدؒ اور سعید بن جبیرؒ کے واسطے سے حضرت ابن عباس اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے۔ آپ کی قرأت بصرہ میں زیادہ مشہور ہوئی۔

(۵) حمزہ بن حبیب الزیاتؒ (المتوفی ۱۸۸ھ)

(۶) عاصم بن ابی النجود الاسدیؒ (المتوفی ۱۲۸ھ)

آپ صرف ایک واسطے سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں۔ آپ کے راویوں میں حضرت حفص بن سلیمانؒ المتوفی ۱۸۰ھ زیادہ مشہور ہوئے اور آج کل عموماً بشمول حرمین شریفین روایت حفص کے مطابق تلاوت کی جاتی ہے۔

(۷) ابوالحسن علی بن حمزہ الکسائیؒ (المتوفی ۱۸۹ھ)

ان کا شمار فن نحو کے ائمہ میں بھی ہوتا ہے۔

اخیر میں ذکر کردہ تینوں قراء کی قرأتیں زیادہ تر کوفہ میں رائج ہوئیں۔

فائدہ

صحیح قرأتوں کو صرف ان سات میں منحصر سمجھنا بڑی غلط فہمی تھی، اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے ان سات کے علاوہ چند قراء کی قرأتیں اور شامل کی گئیں جو "قرأت عشرہ" کے نام سے مشہور ہوئی اور اس میں مندرجہ بالا قرأ کے علاوہ درج ذیل تین حضرات کی قرأت بھی شامل کی گئی۔

(۱) یعقوب بن اسحٰق خضرمیؒ (المتوفی ۲۲۵ھ)

آپ کی قرأت بصرہ میں زیادہ مشہور ہوئی۔

(۲) خلف بن ہشامؒ (المتوفی ۲۰۵)

آپ کی قرأت زیادہ تر کوفہ میں مقبول ہوئی۔

(۳) ابوجعفر یزید بن قعقاعؒ (المتوفی ۱۳۰ھ)

آپ نے حضرت ابن عباس، ابو ہریرہ اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہم سے براہ راست استفادہ کیا اور آپ کی قرأت مدینہ منورہ میں رائج رہی۔

قرأت شاذہ

بعض حضرات نے مندرجہ بالا دس قرأتوں کے علاوہ چار کا اور اضافہ کیا ہے، لیکن صحیح قول کے مطابق پہلی دس قرأتیں متواتر اور بعد والی شاذ ہیں اور وہ یہ ہیں۔

(۱) خواجہ حسن بصریؒ (المتوفی ۱۱۰ھ)

آپ کبار تابعین میں سے ہیں اور آپ کا مرکز بصرہ تھا۔

(۲) محمد بن عبدالرحمٰن بن مہیسنؒ (المتوفی ۱۲۳ھ)

آپ کا مرکز مکہ مکرمہ تھا۔

(۳) یحییٰ بن مبارک یزیدیؒ (المتوفی ۲۰۲ھ)

آپ کا مرکز بصرہ تھا۔

(۴) ابوالفرج محمد بن احمد شنبوزیؒ (المتوفی ۳۸۸ھ)

آپ بغداد کے باشندے تھے اور اپنے استاذ ابن شنبوز کی جانب منسوب ہونے سے شنبوزی کہلاتے ہیں۔

مضامین قرآن کریم

قرآن کریم کی تعلیمات و مضامین کو غور سے دیکھا جائے تو یہ چار بڑے عنوانات پر منقسم ہیں اور قرآن کریم کی ہر آیت ان چار مضامین میں سے کسی نہ کسی کے تحت آتی ہے اور وہ چار عنوان یہ ہیں۔

(۱) عقائد (۲) احکام (۳) قصص (۴) امثال

عقائد

قرآن کریم میں بنیادی طور پر تین عقائد کو ثابت کیا گیا ہے۔

(۱) توحید (۲) رسالت (۳) آخرت

فائدہ

ان تینوں کی اصطلاحی تعریفات مندرجہ ذیل ہیں۔

توحید

کائنات کے ذرے ذرے کو صرف اللہ کی مخلوق سمجھے، اسی کی عبادت کرے، اسی کو چاہے، اسی سے مانگے، اسی سے ڈرے اور اس بات کا سو فیصد یقین رکھے کہ اس وسیع و عریض کائنات کا ہر ذرہ اس اللہ کے قبضہ قدرت میں ہے اور بلا عطاء توفیق کوئی کسی ذرے کو ادھر سے ادھر ہلا نہیں سکتا۔

رسالت

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو اور آپ ﷺ سے پہلے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو اللہ کا سچا رسول سمجھے، جسے وہ حق کہیں اسے حق سمجھے اور جو بات ان کے نزدیک باطل ہو اسے باطل ٹھہرائے۔

آخرت

مرنے کے بعد ایسی زندگی پر ایمان رکھے جو ابدی ہوگی جس میں ہر شخص کو ان اعمال کا بدلہ دیا جائے گا جو اس نے اپنی پوری زندگی میں کیے، اگر اچھے کام کیے ہوں گے تو وہ جنت کی دائمی نعمتوں کا حقدار ہوگا اور اگر برے کام کر کے عمر کو برباد کیا تو دوزخ کا مستحق ہوگا۔

دلائل قرآنی

ان تینوں بنیادی عقائد کو ثابت کرنے کیلئے قرآن کریم نے انواع واقسام کے دلائل ذکر کیے ہیں۔

اقسام دلائل

عقلی طور پر دلائل کی چار قسمیں ہیں۔

(۱) دلیل نقلی

فریق مخالف کو کسی ایسی چیز کا حوالہ دینا جو اس کے نزدیک بھی واجب التسلیم ہو۔

(۲) دلیل منطقی

ثبوت دعویٰ کیلئے منطقی انداز میں دلائل کو مرتب کر کے پیش کرنا۔

(۳) دلیل مشاہداتی

فریق مخالف کو ایسی چیزیں دکھانا جن سے نتیجہ نکالنا اور منزل مقصود تک پہنچنا ہر

انسان کیلئے ممکن ہو۔

(۴) دلیل تجرباتی (استقرائی)

اپنے نقطہ نظر کو ثابت کرنے کیلئے واقعات ماضیہ کا حوالہ دینا۔

یعنی یہ ثابت کرنا کہ میں نے جو کچھ کیا، اسے جس نے مانا وہ کامیاب ہوا اور جس نے نہ مانا وہ ناکام ہوا۔ اور ان میں سے ہر ایک کی کئی کئی مثالیں قرآن کریم میں موجود ہیں۔

آیات مخاصمہ

مذکورہ بالا عقائد کو ثابت کرنے کے علاوہ قرآن کریم نے انسان کے عقائد و اعمال کی بہت سی گمراہیوں کا رد کیا ہے اور ان گمراہیوں میں مبتلا بہت سے لوگوں کے سوالات کا تسلی بخش جواب دیا ہے، اس مضمون کی آیات کو فن تفسیر کی اصطلاح میں ''آیات مخاصمہ'' کہتے ہیں۔ اس قسم کی آیات میں ان لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے بت پرست، مشرکین، یہود و نصاریٰ اور منافقین۔

احکام قرآنی

قرآن کریم میں ذکر کردہ احکام کو ہم اپنی نوعیت کے اعتبار سے تین قسموں پر تقسیم کر سکتے ہیں۔

اقسام احکام قرآنی

(۱) وہ احکام و قوانین جو صرف اور صرف حقوق اللہ سے متعلق ہیں جنہیں مختصر الفاظ میں ''عبادات'' کہا جاتا ہے اس میں طہارت، نماز، روزہ، حج و زکوٰۃ اور قربانی وغیرہ کا ذکر ہے۔

(۲) وہ احکام و قوانین جو خاص حقوق العباد سے متعلق ہیں جنہیں ہم ''معاملات'' سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ مثلاً تجارت، امانت، رہن، ذبیحہ، وصیت و میراث، احکام

اکل وشرب وغیرہ۔

(۳) وہ احکام وقوانین جو من وجہ عبادات سے متعلق ہوں اور من وجہ معاملات سے متعلق ہوں، احکام کی اس تیسری قسم میں نکاح وطلاق، حدود وتعزیرات، مسائل قتل وقصاص اور احکامات ومسائلِ جہاد شامل ہیں۔

قصص وواقعات

قرآن کریم کا تیسرا بڑا اور اہم موضوع اقوام ماضیہ کے قصے ہیں جبکہ کچھ واقعات زمانہ مستقبل کے بھی ذکر کیے گئے ہیں۔

واقعات ماضیہ

ماضی کے واقعات میں زیادہ تر انبیاء علیہم السلام کے واقعات ذکر کیے گئے ہیں، ان کے علاوہ بعض نیک یا بد افراد واقوام کے واقعات بھی ذکر کیے گئے ہیں۔

انبیاء قرآنی

قرآن کریم میں کل ستائیس انبیاء کرام علیہم السلام کے واقعات ذکر کیے گئے ہیں جن کے اسماء گرامی تاریخی ترتیب سے مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) حضرت آدم علیہ السلام

(۲) حضرت نوح علیہ السلام

(۳) حضرت ادریس علیہ السلام

(۴) حضرت ہود علیہ السلام

(۵) حضرت صالح علیہ السلام

(۶) حضرت ابراہیم علیہ السلام

(۷) حضرت اسماعیل علیہ السلام

(۸) حضرت اسحٰق علیہ السلام

(۹) حضرت لوط علیہ السلام

(۱۰) حضرت یعقوب علیہ السلام

(۱۱) حضرت یوسف علیہ السلام

(۱۲) حضرت شعیب علیہ السلام

(۱۳) حضرت موسیٰ علیہ السلام

(۱۴) حضرت ہارون علیہ السلام

(۱۵) حضرت یوشع علیہ السلام

(۱۶) حضرت یونس علیہ السلام

(۱۸) حضرت حزا قیل علیہ السلام

(۱۹) حضرت الیاس علیہ السلام

(۲۰) حضرت الیسع علیہ السلام

(۲۰) حضرت شموئیل علیہ السلام

(۲۱) حضرت داؤد علیہ السلام

(۲۲) حضرت سلیمان علیہ السلام

(۲۳) حضرت ذوالکفل علیہ السلام

(۲۴) حضرت عزیر علیہ السلام

(۲۵) حضرت زکریا علیہ السلام

(۲۶) حضرت یحیٰی علیہ السلام

(۲۷) حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔

اقوام وافراد

انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ مندرجہ ذیل اقوام وافراد کا ذکر بھی قرآن میں ہے۔

(۱) اصحاب القریہ

(۲) اصحاب السبت

(۳) اصحاب الرس

(۴) اصحاب الکہف والرقیم

(۵) اصحاب الاخدود

(۶) اصحاب الفیل

(۷) اصحاب الجنہ

(۸) حضرت لقمان

(۹) حضرت ذوالقرنین

(۱۰) حضرت خضر علیہ السلام۔

مقصدِ واقعات

قرآن کریم میں مختلف قصوں کو ذکر کرنے کا مقصد تاریخ نگاری اور قصہ گوئی نہیں بلکہ ان واقعات میں سامان موعظت بھی ہے اور وجہ عبرت بھی، اس لیے کہ ماضی سب سے بڑا گواہ اور بنیادی کردار ہوتا ہے، کسی بھی شخص یا قوم کی پہچان اس کے ماضی سے ہوا کرتی ہے۔ پھر ان قصوں کے درمیان علم وحکمت کے بے شمار خزانے پوشیدہ ہیں اور فقہ وتصوف کے ان گنت مسائل ان ہی واقعات کے دامن میں لپٹے ہوئے ہیں۔

ایک اہم ترین سوال

قرآن کریم کے واقعات پر غور کرنے اور مطالعہ کرنے کے بعد ایک اہم ترین سوال ذہن میں ابھرتا ہے جو بعض اوقات اعتراض کی منزل تک جا پہنچتا ہے کہ قرآنی واقعات میں تکرار کیوں ہے؟ ایک ہی واقعہ کو بار بار کیوں ذکر کیا جاتا ہے، اگر واقعہ ایک مرتبہ ذکر کردیا جاتا اور باقی احکامات بیان کیے جاتے تو اس میں امت کیلئے زیادہ فائدہ ہوتا؟

تکرار قصص کی حکمتیں

قرآنِ کریم میں قصوں کو بار بار ذکر کرنے میں چند حکمتیں ہیں۔

(۱) قرآن کریم بتدریج نازل ہوا اور ایسی امت کیلئے اترا جو ابتداء ہی سے ہر قدم پر نت نئی آزمائشوں کا شکار ہوئی، جس کی پوری زندگی جہاد و قتال، حرب وضرب، سرفروشی و جانبازی، امتحانات ومحنتوں میں گذری ہے ایسی صورت میں اگر بار بار تسلی نہ دی جاتی تو مسلمان دل چھوڑ کر بیٹھ جاتے اسی لیے بار بار انہیں یہ بتایا گیا کہ تم ان آزمائشوں میں تنہا نہیں ہو بلکہ دعوت حق کا ہر قافلہ ان ہی کٹھن مراحل سے گزرا ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں کسی جگہ بھی ایک نبی کا واقعہ یکجا نہیں ہے بلکہ اس کے مختلف حصے متفرق مقامات پر مذکور ہیں یعنی جس موقع پر جس نبی کے قصے کی ضرورت محسوس ہوئی، اسے ذکر کردیا اور اسے ہی نازل فرمادیا۔

(۲) تکرار قصص کی ایک اہم ترین حکمت ''حجیت حدیث'' ہے ان قصوں کے تکرار سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم جزئیات احکام بیان کرنے کیلئے نہیں آیا بلکہ وہ تو صرف احکام کے اصول بیان کرتا ہے، اس کا بنیادی مقصد عقائد کی اصلاح، وعظ وتذکیر اور خوش کرداری پر ابھارنا ہے، قانونی جزئیات وفروعات رسول اکرم ﷺ کی تعلیم وتربیت پر چھوڑ دی گئی ہیں کہ وہ وحی غیر متلو کے ذریعے ان احکامات کو لوگوں تک پہنچائیں، قرآن کریم کا یہ طرز عمل حجیت حدیث کی بہت واضح اور روشن دلیل ہے کیونکہ اگر فقہ وقانون میں صرف قرآن کریم حجت ہوتا اور احادیث حجت نہ ہوتیں تو قرآن کریم میں صرف احکامات ذکر کیے جاتے، بار بار قصوں کو ذکر کرنے کی بجائے ان قصوں کو حدیث کے ذریعے بھی بتایا جاسکتا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے برعکس ترتیب رکھ کر اس بات پر تنبیہ فرمادی کہ قرآن عقائد وتربیت اخلاق اور بیان اصول احکام کیلئے نازل ہوا ہے، جزئیات کے متعلق حدیث کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔

(۳) تکرار قصص کی ایک اور حکمت اعجاز قرآنی ہے، انسانی فطرت کا تقاضا ہے کہ وہ ایک بات بار بار سن کر اکتا جاتی ہے لیکن قرآن کریم ایک ہی قصے کو ایسے اسلوب

اور پیرائے میں بیان کرتا ہے جس سے سننے والے کو ہر مرتبہ ایک نیا کیف وسرور ملتا ہے اور ایک روشن ضمیر انسان بے اختیار پکار اٹھتا ہے۔

﴿مَاهٰذا كلام البشر﴾

''یہ فرمان شاہی ہے، کوئی ذہنی پیداوار نہیں۔''

مستقبل کے واقعات

واقعات ماضیہ کی طرح قرآن کریم میں مستقبل کے واقعات بھی ہیں جو بطور پیش گوئی کے ذکر کیے گئے ہیں، اس قسم کے واقعات میں علامات قیامت، احوال قیامت، منظر حشر ونشر، دوزخ کی ہولناکیاں اور جنت کی تابناکیاں بیان کی گئی ہیں، اسی طرح قیامت کے قریب زمین سے ایک بولتے ہوئے جانور کا نمودار ہونا، یاجوج ماجوج کا خروج، چاند اور تاروں کا بے نور ہونا، اسرافیل علیہ السلام کا صور پھونکنا، اور جنت وجہنم والوں کے باہمی مکالمے مذکور ہیں۔

فائدہ

ماضی اور استقبال کے واقعات بیان کرنے کے ساتھ ساتھ قرآن کریم نے حضور نبی مکرم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ کی سیرت طیبہ بیان کرنے کا جو خاص اہتمام کیا ہے اس سے سیرت کی اہمیت کے ساتھ ساتھ اس بات پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ ماضی اور استقبال کے ان واقعات سے سبق آموزی کا کون سا طریقہ فطرت سلیمہ سے مطابقت رکھتا ہے؟ اس سوال کا واضح ترین جواب ذیل کی سطروں میں ملاحظہ فرمائیے۔

سیرت نبوی صلی اللہ علیہ آیات قرآنی کے آئینہ میں

خانوادہ قاسمیہ کے چشم و چراغ قاسم العلوم والخیرات حضرت نانوتویؒ کے نبیرۂ مطہرہ حضرت مولانا علامہ حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

''قرآن کریم میں ذات وصفات کی آیات آپ صلی اللہ علیہ کے عقائد ہیں، احکام کی آیات آپ صلی اللہ علیہ کے اعمال ہیں، آیات تکوین آپ صلی اللہ علیہ کا استدلال ہیں۔ تشریح

کی آیات آپ ﷺ کا حال ہیں، قصص وامثال آپ ﷺ کی عبدیت ہیں، کبریائے حق کی آیات آقا علیہ السلام کی نیابت ہیں، آیات اخلاق آپ ﷺ کی حسن معیشت ہیں، آیاتِ معاملات آپ ﷺ کا حسن معاشرت ہے، توجہ الی اللہ کی آیات آپ ﷺ کی خلوت ہیں اور تربیت مخلوق کی آیات آپ ﷺ کی جلوت ہیں، قہر وغضب کی آیات آپ ﷺ کا جلال ہیں، مہر ورحمت کی آیات آپ ﷺ کا جمال ہیں، تجلیات حق کی آیات آپ ﷺ کا مشاہدہ ہیں، (احوال محشر کی آیات آپ ﷺ کا محاسبہ ہیں) ابتغاءِ وجہ اللہ کی آیات آپ ﷺ کا مراقبہ ہیں، ترک دنیا کی آیات آپ ﷺ کا مجاہدہ ہیں، نفی غیر کی آیات آپ ﷺ کی فنائیت ہے، اثبات حق کی آیات آپ ﷺ کی بقائیت ہیں، اَنَــا اور اَنْــتَ کی آیات آپ ﷺ کا شہود ہیں۔ ہُوَ کی آیات آپ ﷺ کی غَیْبَــت ہیں، نعیم جنت کی آیات آپ ﷺ کا شوق ہیں، جحیم نار کی آیات آپ ﷺ کا غم، رحمت کی آیات آپ ﷺ کی رجا وامید، عذاب کی آیات آپ ﷺ کا خوف، انعام کی آیتیں آپ ﷺ کا سکون وانس، انتقام کی آیات آپ ﷺ کا حزن، حدود وجہاد کی آیات آپ ﷺ کا بغض فی اللہ، نزول وحی کی آیات آقا علیہ السلام کا عروج اور تعلیم وتبلیغ آپ ﷺ کا نزول، تنفیذ اوامر کی آیات آپ ﷺ کی خلافت اور خطاب کی آیات آپ ﷺ کی عبادت ہیں۔

صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وبارک وسلم تسلیماً کثیراً کثیراً۔

﴿علم تفسیر کا تعارف اور اس کے مآخذ﴾

تعارف

تَـفْسِیْرٌ دراصل فَسْـرٌ سے نکلا ہے جس کا معنی ہے ''کھولنا'' چونکہ اس علم میں قرآن کریم کے معانی و مفاہیم کو کھول کر بیان کیا جاتا ہے اس لیے اسے ''تفسیر'' کہتے ہیں۔

حالات کی تبدیلی سے علم تفسیر ایک وسیع اور پہلو دار علم بن گیا اور اس کی جزئیات میں اضافہ ہوتا گیا، بہر حال! مشہور مفسر علامہ سید محمود آلوسی الحنفی البغدادیؒ اپنی بے مثال تفسیر، روح المعانی میں علم تفسیر کی تعریف یوں کرتے ہیں۔

﴿هو علم یبحث فیه عن کیفیة النطق بالفاظ القرآن و مدلولاتها واحکامها الافرادیة والترکیبیة و معانیها التی تحمل علیها حالة الترکیب و تتماست لذلک﴾ (روح المعانی ج۱ ص۴)

''علم تفسیر وہ علم ہے جس میں الفاظ قرآنی کی ادائیگی کے طریقے، ان کے مفہوم، ان کے افرادی و ترکیبی احکام اور ان معانی سے بحث کی جاتی ہے جو ان الفاظ سے ترکیبی حالت میں مراد لیے جاتے ہیں، نیز ان معانی کو ناسخ و منسوخ، شان نزول اور توضیحِ مسائل و قصص شامل ہیں۔''

تفسیر اور تاویل میں فرق

زمانہ قدیم میں یہ دونوں لفظ ہم معنی استعمال ہوتے تھے، اس کے بعد یہ بحث چھڑی کہ آیا یہ دونوں لفظ ہم معنی ہیں یا ان میں کچھ فرق ہے؟ مختلف اقوال کی روشنی میں ''مابین التفسیر والتاویل'' مندرجہ ذیل پانچ فرق واضح ہوتے ہیں۔

(۱) تفسیر ایک ایک لفظ کی انفرادی تشریح کا نام ہے اور تاویل جملہ کی مجموعی تشریح کا

نام ہے۔

(۲) تفسیر کا مطلب الفاظ کے ظاہری معنی کو بیان کرنا ہے اور تاویل اصل مراد کی توضیح کرنے کا نام ہے۔

(۳) تفسیر یقینی تشریح کو کہتے ہیں اور تاویل اس تشریح کو کہتے ہیں جس میں تردد ہو۔

(۴) تفسیر کا مطلب الفاظ کے مفہوم کو بیان کرنے کا نام ہے اور تاویل اس مفہوم سے نکلنے والے نتیجے کی وضاحت کا نام ہے۔

(۵) تفسیر اس آیت کی ہوتی ہے جس میں معانی کثیرہ کا احتمال نہ ہو اور تاویل کا مطلب یہ ہے کہ آیت کی جو ممکنہ تشریحات ہوں ان میں سے کسی ایک کو بالدلیل اختیار کیا جائے۔

مآخذ تفسیر

آیات قرآنی دو قسم کی ہیں، ایک تو اتنی صاف اور واضح جو محض لغتِ عرب سے سمجھ میں آسکتی ہیں اور دوسری ایسی دقیق اور پیچیدہ جو محض لغت عرب سے سمجھنا مشکل ہیں، اس میں صرف زبان دانی کا ہونا کافی نہیں بلکہ مزید کچھ قواعد وضوابط کا جاننا بہت ضروری ہے۔ اس لیے تفسیر کے چھ مآخذ بیان کیے گئے ہیں۔

(۱) قرآن کریم (۲) احادیث نبویہ ﷺ (۳) اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم (۴) اقوال تابعین رحمہم اللہ (۵) لغت عرب (۶) عقل سلیم۔

تفسیر میں گمراہی کے اسباب

بنیادی طور پر تفسیر میں گمراہی کے تین سبب ہیں۔

(۱) نااہلیت (۲) قرآن کریم کو اپنے نظریات کا تابع بنانا۔ (۳) افکار زمانہ سے مرعوب ہونا۔

تفسیر کے ناقابل اعتبار مآخذ

(۱) اسرائیلی روایات (۲) صوفیاء کی تفسیر (۳) تفسیر بالرائے

اسرائیلی روایات (اسرائیلیات)

تفسیر کے ناقابل اعتبار مآخذ میں ایک اہم ترین ناقابل اعتبار ماخذ اسرائیلی روایات یا اسرائیلیات ہیں، اس لیے کہ بعض اوقات ان روایات کو غلط رنگ دے کر بہت سے لوگ گمراہیوں کا شکار ہو جاتے ہیں، علم تفسیر کے ذخیرے میں ان روایات کی بہت بہتات ہے، جس نے تفسیر جیسے پاکیزہ اور مقدس علم کو مکدر کر دیا اور بہت سے جدید تعلیم یافتہ ذہنوں کو الجھا کر کفر والحاد تک پہنچا دیا۔

اسرائیلیات ان روایات کو کہتے ہیں جو یہود و نصاریٰ سے ہم تک پہنچی ہیں اور عرب کے یہود و نصاریٰ میں معروف و مشہور تھیں، تفسیر کی مروجہ کتب میں ایسی روایات کی ایک بھاری تعداد موجود ہے۔

اقسام اسرائیلیات

اسرائیلی روایات کا حکم بیان کرتے ہوئے مشہور محقق و مفسر الشیخ ابوالفداء عماد الدین ابن کثیرؒ نے ان روایات کو تین قسموں میں تقسیم کیا ہے جن میں سے ہر ایک کا حکم علیحدہ ہے۔

(۱) اسرائیلیات معتبرہ

پہلی قسم میں وہ اسرائیلیات شامل ہیں کہ جن کی تصدیق دوسرے خارجی دلائل سے ہو چکی ہو مثلاً غرق فرعون، ساحرانِ فرعون، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کوہ طور پر جانا، حضرت سلیمان علیہ السلام کا جنات پر حکومت کرنا اور جانوروں کی بولیاں سمجھنا۔ یہ روایات اس لیے قابل اعتبار ہیں کہ ان کی تصدیق قرآن کریم اور احادیث صحیحہ سے ہوتی ہے۔

(۲) اسرائیلیات کاذبہ غیر معتبرہ

دوسری قسم میں وہ اسرائیلیات ہیں جن کا جھوٹا اور غیر یقینی ہونا خارجی دلائل سے ثابت ہو چکا ہو، مثلاً یہ کہانی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام آخری عمر میں بت پرستی میں مبتلا

ہو گئے تھے (العیاذ باللہ) اسی طرح حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق یہ سراسر جھوٹ اور بکواس کہ وہ اپنے سپہ سالار کی بیوی پر فریفتہ ہو گئے تھے (العیاذ باللہ) کہ ان کا جھوٹا ہونا یقینی ہے۔

(۳) اسرائیلیات متوسطہ

تیسری قسم ان اسرائیلیات کی ہے جن کو بیان کرنا تو جائز ہے لیکن ان پر نہ تو کسی دینی مسئلے کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے اور نہ ان کی تصدیق یا تکذیب کی جا سکتی ہے، اسی قسم کی اسرائیلیات کے متعلق حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔

﴿لا تصدقوها و لا تکذبوها﴾

"نہ ان کی تصدیق کرو اور نہ تکذیب۔"

اسرائیلیات کے متعلق رہنما اصول

امام ابن کثیرؒ نے سورہ کہف کی تفسیر میں ان آیات کریمہ کے ذیل میں چند قوانین، قرآنی روشنی میں مرتب فرمائے ہیں، سورۂ کہف کی وہ آیات ہیں۔

﴿سَيَقُولُونَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ وَ يَقُولُونَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ﴾

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کی تعداد کے متعلق چند اسرائیلی روایات ذکر کیں اور اس کے ساتھ "رَجْماً بِالْغَيْبِ" کہہ کر مندرجہ ذیل باتوں کی طرف اشارہ فرمایا۔

(۱) اسرائیلی روایات اور ان کا اختلاف بیان کرنا جائز ہے جیسا کہ خود اللہ نے بیان فرمایا۔

(۲) جو روایات غلط ہوں، ان کی غلطی پر تنبیہ کر دینی چاہیے۔

(۳) ان روایات کے صدق و کذب کے متعلق یہی ایمان رکھنا چاہیے کہ حقیقی علم اللہ کے پاس ہے۔

(۴) ایسی روایات میں زیادہ تحقیق وتفتیش اور بحث ومباحثہ سے پرہیز کرنا چاہیے۔

(۵) ایسی روایات کا کوئی خاطر خواہ فائدہ نہیں ہوتا اس لیے اس میں زیادہ انہماک اور اس کا زیادہ بیان مناسب نہیں۔

مفسرین قرون اولیٰ

قرون اولیٰ (دور صحابہ رضی اللہ عنہم) کے وہ حضرات جنہیں قرآن کریم کی تفسیر پر عبور حاصل تھا، ان کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

(۱) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما

یوں تو جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے بہت سے حضرات نے تفسیر کی خدمت سرانجام دی مگر آپ رضی اللہ عنہ کی شان ہی نرالی ہے، اس لیے کہ ان کے سر پر ہاتھ پھیر کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی تھی۔

﴿اللھم علمه التاویل﴾

ایک اور موقع پر فرمایا۔

﴿اللھم بارک فیه و انشر منه﴾

ایک اور موقع پر فرمایا۔

﴿نعم ترجمان القرآن انت﴾

اسی لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ رضی اللہ عنہ کو الحبر اور البحر کہہ کر پکارتے تھے اور آپ کو ''امام المفسرین'' بھی کہا جاتا تھا۔

البتہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف جو روایات منسوب ہیں ان کا اکثر حصہ ضعیف ہے اس لیے ان کی طرف منسوب روایات پر عمل کرتے ہوئے انہیں اصول دین پر پرکھنا ہوگا کیونکہ رافضیوں نے تاریخ کی طرح ''تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہ'' میں بھی جا بجا اپنے عقائد کی خباثتوں اور گندگیوں کو شامل کرنے کی کوشش کی ہے، البتہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایات میں سب سے زیادہ قوی اور قابل اعتماد وہ روایات ہیں جو اس

سند سے مروی ہیں۔

﴿ابو صالح عن معاویۃ بن صالح عن علی عن ابی طلحۃ عن ابن عباس رضی اللہ عنہ﴾

چنانچہ امام بخاریؒ، ابن جریرؒ، ابن کثیرؒ اور ابن ابی حاتمؒ وغیرہ نے انہیں مرویات کو نقل کیا ہے۔

موجودہ مروجہ تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حیثیت

ہمارے زمانے میں ''تنویر المقیاس فی تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہ'' شائع ہوئی ہے جسے عموماً حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی تفسیر سمجھا جاتا ہے لیکن یہ بات مکمل طور پر پیش نظر رہے کہ یہ کتاب ''محمد بن مروان السدی عن محمد بن السائب الکلبی عن ابی صالح عن ابن عباس رضی اللہ عنہ'' کی سند سے مروی ہے اور یہ بات ذکر کی جا چکی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے صرف وہی روایات معتبر ہوں گی جن کی سند ذکر کی جا چکی اور جس سند سے تنویر المقیاس مروی ہے اسے محدثین نے سدی کی وجہ سے ''سلسلۃ الکذب'' قرار دیا ہے۔ لہٰذا یہ ناقابل اعتبار ہے۔

(۲) حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ (۳) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (۴) حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ۔

مفسرین دور تابعین

(۱) حضرت مجاہدؒ

(۲) حضرت سعید بن جبیرؒ

(۳) حضرت عکرمہؒ

(۴) حضرت طاؤسؒ

(۵) امام المعبرین محمد بن سیرینؒ

(۶) حضرت زید بن اسلمؒ

(۷) حضرت ابوالعالیہؒ

(۸) حضرت حسن بصریؒ

(۹) حضرت قتادہؒ

(۱۰) حضرت علقمہؒ

(۱۱) حضرت اسودؒ

(۱۲) حضرت نافعؒ

(۱۳) حضرت شعبیؒ

(۱۴) حضرت ابن ابی ملیکہؒ

(۱۵) حضرت ضحاکؒ

قرون اولیٰ کے ضعیف اور مختلف فیہ مفسر

(۱) سدی کبیر

(۲) سدی صغیر

(۳) مقاتل

(۴) عطیۃ العوفی

(۵) عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم

(۶) الکلبی۔

﴿چند مشہور تفاسیر﴾

ویسے تو قرآن کریم کی بے شمار تفسیریں لکھی گئیں جن میں مختصر اور مطول ہر طرح کی تفاسیر شامل ہیں لیکن یہاں ان میں سے چند ایک کے نام لکھے جاتے ہیں جن کے ذریعے فہم قرآن کی استعداد پیدا ہونے کی قوی امید کی جاسکتی ہے۔

(۱) تفسیر ابن کثیر

(۲) تفسیر کبیر (اس کا اصل نام ''مفاتیح الغیب'' ہے)

(۳) تفسیر قرطبی (اس کا اصل نام ''الجامع لاحکام القرآن'' ہے)

(۴) روح المعانی

(۵) تفسیر حقانی

(۶) معارف القرآن

(۷) بیان القرآن

(۸) تفسیر عثمانی

(۹) تفسیر عزیزی

(۱۰) تفسیر ابی السعود

تکملہ وتتمہ

مبادیات تفسیر کے متعلق مذکورہ بالا طویل تقریر کے بعد چند باتیں بطور فائدہ اور تتمہ بحث مختلف فوائد پر مشتمل عنوانات کے تحت ذکر کی جاتی ہیں۔

کتابت وحی

تبلیغ اسلام ۴ نبوی، ماہ ربیع الاول بروز پیر سے شروع ہوئی، اس وقت تک سورہ علق کی ابتدائی پانچ آیات اور سورہ مدثر کی ابتدائی آیات نازل ہو چکی تھیں، ابتداء تبلیغ کے چوتھے دن حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ ایمان لائے۔

ان کی بیٹی کا بیان ہے کہ ''بسم اللہ'' سب سے پہلے میرے ابا جان نے لکھی، گویا اس دن کتابت وحی کا آغاز ہوا۔ ۳ ربیع الاول ۱۱ھ کو نبی علیہ السلام پر آخری وحی کا نزول ہوا اور اس آخری وحی کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے تحریر کیا گویا یہ آخری تاریخ تھی جس میں وحی کو لکھا گیا۔

کاتبین وحی

رسول اللہ ﷺ نے اس خدمت پر چالیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مامور

فرما رکھا تھا۔ان میں سے زیادہ مشہور کے نام یہ ہیں۔

(۱ تا ۴) خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم

(۵) حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ

(۶) حضرت عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ

(۷) حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ

(۸) حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ

(۹) حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ

(۱۰) حضرت حنظلہ بن ربیع رضی اللہ عنہ

(۱۱) حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ

(۱۲) حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ

(۱۳) حضرت عبداللہ بن سلول رضی اللہ عنہ

(۱۴) حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ

(۱۵) حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ

(۱۶) حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

(۱۷) حضرت شرجیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ

(۱۸) حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ

(۱۹) حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ

(۲۰) حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ

(۲۱) حضرت ابان بن سعید رضی اللہ عنہ۔

خط قرآنی

بنو ہاشم میں مکہ مکرمہ کے اندر خط ''قیراموز'' رائج تھا،اس لیے مکہ مکرمہ میں جتنی کتابت ہوئی وہ سب اسی خط میں تھی،اور مدینہ منورہ میں جو کتابت ہوئی وہ خط ''حیری'' میں

ہوئی، پھر ۱۶۰ھ سے ۳۱۸ھ تک ''خطِ کوفی'' میں کتابت ہوتی رہی، اس کے بعد ۳۱۸ھ سے خط ''نسخ'' میں کتابت ہونے لگی اور اب اسی پر اجماع ہے، اس کے خلاف جائز نہیں۔

حفاظ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

رئیس الحفاظ جناب رسول اللہ ﷺ کی بابرکت اور مقدس جماعت میں حفاظ کرام کی ایک فوج ظفر موج تھی جو انشاء اللہ تا قیامت قائم و دائم رہے گی، دس ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حفاظ میں زیادہ مشہور تھے اور ان میں سے بھی ۲۷ کو خاص خصوصیات حاصل تھیں۔

اسمائے حفاظ حاملین خصوصیات خاصہ

(۱ تا ۴) خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم
(۵) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ
(۶) حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ
(۷) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ
(۸) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ
(۹) حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ
(۱۰) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ
(۱۱) حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ
(۱۲) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ
(۱۳) حضرت مجمع بن حارثہ رضی اللہ عنہ
(۱۴) حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ
(۱۵) حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ
(۱۶) حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ
(۱۷) حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ

(۱۸) حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ

(۱۹) حضرت عبداللہ بن ذوالیماوَین رضی اللہ عنہ

(۲۰) حضرت عبید بن معاویہ رضی اللہ عنہ

(۲۱) حضرت ابوزید رضی اللہ عنہ

(۲۲) حضرت سالم مولٰی ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ

(۲۳) حضرت سلمہ بن مخلد رضی اللہ عنہ

(۲۴) حضرت سعد بن عبید انصاری رضی اللہ عنہ

(۲۵) حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ

(۲۶) حضرت تمیم الداری رضی اللہ عنہ

(۲۷) حضرت معاذ بن الحارث رضی اللہ عنہ

(۲۸) حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ

(۲۹) حضرت عقبہ بن عامر الجہنی رضی اللہ عنہ

(۳۰) حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ

(۳۱) حضرت عبداللہ بن صائب رضی اللہ عنہ

(۳۲) حضرت سلیمان بن ابی خثیمہ رضی اللہ عنہ

(۳۳) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ

(۳۴) حضرت سعد بن المنذر رضی اللہ عنہ

(۳۵) حضرت قیس بن صعصعہ رضی اللہ عنہ

(۳۶) حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ

(۳۷) حضرت ابوحلیمہ رضی اللہ عنہ۔

اسمائے حافظات

اس دولت حفظ سے صرف مرد ہی مالا مال نہ تھے بلکہ خواتین بھی اس میدان میں

کسی سے پیچھے نہ تھیں چنانچہ عورتوں میں حفظ قرآن کے حوالے سے چار زیادہ مشہور ہوئیں۔

(۱) حضرت ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

(۲) حضرت ام المومنین سیدہ حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا

(۳) حضرت ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا یہ نہ صرف حافظہ تھیں بلکہ اعلیٰ درجہ کی قاریہ اورفن تجوید کے اسرار ورموز سے بھی واقف تھیں اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے حسن صوت بھی خوب عطا فرما رکھا تھا۔

(۴) حضرت ام ورقہ بن نوفل رضی اللہ عنہا

کمسن حفاظ

اس بابرکت دور میں حفظ وتلاوت کی اتنی کثرت تھی کہ لوگ آتے جاتے قافلوں سے سن کر قرآن کریم یاد کرلیتے تھے، چنانچہ عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ جن کی عمر صرف سات سال تھی، ان کا گھر ایک چشمے کے کنارے تھا اور انہوں نے اپنی اس کم سنی میں اسلام قبول کرنے سے پہلے پہلے ہی آتے جاتے مسافروں کی زبانی قرآن کریم سن کر یاد کرلیا تھا، اس کے علاوہ اور بھی بہت سے صحابہ وصحابیات رضی اللہ عنہم کو اللہ تعالیٰ نے اس شرف سے سرفراز فرمایا۔

تعداد آیات اور سبب اختلاف

آیات قرآنی میں شمار وتعداد کا اختلاف ہے اور اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ بعض مرتبہ حضور ﷺ کسی آیت کے سرے پر ٹھہرا کرتے تھے اور بعض مرتبہ وصل بھی فرمایا کرتے تھے، فصل ووصل کا یہی اعتبار آیات کے شمار کرنے میں اختلاف کا باعث بنا۔

مختلف حضرات سے منقول تعداد آیات

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا	۶۶۶۶
حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ	۶۲۱۸

اہل مکہ	۶۲۱۲
اہل کوفہ	۶۲۳۶
اقوال عامہ	۶۶۶۶

فائدہ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حروف بھی شمار کیے تھے، کلمات اور حرکات کو بھی شمار کیا گیا اور یہ سب اس کتاب کے بے مثل و بے مثال اور عجیب وغریب خدائی نظام حفاظت کی کھلی دلیل ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شمار کردہ حروف کی تعداد ۳،۲۲۶۷۱

تعداد کلمات ۸۶۴۳۰

تعداد حرکات قرآنی

فتحات	۴،۵۳،۱۴۳	کسرات	۳۹۵۸۲
ضمات	۸۸۰۴	مدات	۱۷۷۱
شدات	۱۲۷۴	نقاط	۱۰،۵،۶۸۴

حروف قرآنی

الف	۴۸۸۷۶	ب	۱۱۴۲۸	ت	۱۱۰۹۵
ث	۱۲۷۶	ج	۳۲۷۳	ح	۳۷۹۳
خ	۲۴۱۶	د	۵۶۰۲	ذ	۴۶۷۷
ر	۱۱۷۹۳	ز	۱۵۹۰	س	۵۸۹۱
ش	۲۲۵۳	ص	۲۰۱۲	ض	۱۲۰۷
ط	۱۲۷۷	ظ	۸۴۲	ع	۹۲۲۰
غ	۲۲۰۸	ف	۸۴۹۹	ق	۶۸۱۳
ک	۹۵۰۰	ل	۳۰۴۳۲	م	۳۶۵۶۰

ن	۴۵۱۹۰	و	۲۵۵۳۶	ھ	۱۹۰۷۰
ی	۴۵۹۱۹				

تقسیم آیات

بعض بزرگوں خصوصاً امام جعفر صادقؒ سے تقسیم آیات کچھ یوں منقول ہے۔

آیات وعدہ	۱۰۰۰	آیات وعید	۱۰۰۰	نواہی	۱۰۰۰
اوامر	۱۰۰۰	امثلہ	۱۰۰۰	قصص	۱۰۰۰
حلال	۲۵۰	حرام	۲۵۰	تسبیح	۱۰۰
منسوخ	۶۶				

فائدہ

اصول فقہ کی مشہور کتاب اصول الشاشی کے مطابق ان آیات کی تعداد جن میں وضاحت وصراحت سے احکام بیان کیے گئے وہ ۱۵۰ ہیں اور استنباط کے لحاظ سے آیاتِ احکام کی تعداد ۵۰۰ ہے، وہ آیات جن میں علوم کا ذکر آیا ہے یا ان کی طرف اشارہ ہے وہ ۷۵۰ سے زیادہ ہیں۔

چونکہ نوع انسانی کو روحانیت سے زیادہ مادیت سے تعلق پڑتا ہے اس لیے وہ آیات جن میں مادی علوم کی طرف اشارہ ہے، وہ تعداد میں کچھ زیادہ ہیں۔

وجہ اختلاف حروف وکلمات قرآنی

قرآن کریم کے حروف وکلمات میں اختلاف اس لیے ہوا کہ بعض حضرات نے حروف مشددہ کو ایک کلمہ شمار کیا اور بعض نے دو، اس طرح جب حروف میں اختلاف ہوا تو کلمات میں بھی اختلاف ہوا۔

حروف مقطعات

یعنی وہ حروف جن کو کاٹ کاٹ کر پڑھا جاتا ہے، ان کے متعلق حضرت عبداللہ

بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ یہ اسماء الٰہیہ ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ ہر ہر حرف ایک الگ اسم الٰہی کی طرف اشارہ ہے۔ مثلاً الٓمّٓ میں ''الف'' اشارہ ہے ''احد، اول، آخر'' کی طرف اور ''م'' اشارہ ہے ''ملک، مالک، مجید، منان'' وغیرہ کی طرف۔

فصحاء عرب کا یہ معمول تھا کہ وہ اپنے کلام کو مختلف حروف سے شروع کرتے تھے اور قرآن کریم سے بڑھ کر کوئی فصیح و بلیغ کلام نہیں، اسی لیے اس کی بعض سورتوں کو حروف مقطعات سے شروع کیا گیا، اگر یہ کوئی قابل اعتراض اور خلاف فصاحت چیز ہوتی تو اس پر ضرور اعتراض کیا جاتا کہ قرآن کریم کو بے معنی حروف سے کیوں شروع کیا گیا؟ لیکن اس پر کبھی کسی نے اعتراض نہیں کیا۔

بعض علماء نے ان حروف کی اس طرح بھی تفسیر کی ہے کہ مثلاً الٓمّٓ، اس میں ''الف'' کا عدد ایک، ''ل'' کے تیس اور ''م'' کے چالیس تو الٓمّٓ کا ترجمہ یہ ہوا کہ قسم ہے اکتیس نبیوں کے چالیس صحیفوں کی کہ قرآن کریم میں کوئی شک نہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے حٰمٓ کا ترجمہ یوں کیا۔ ''حمید مالک'' یعنی اللہ ایسا مالک ہے جس کی حمد کی گئی ہے۔

گویا حروف مقطعات قرآن کریم کا مختصر نویسی (شارٹ ہینڈ) ہے۔

علوم قرآنی

قرآن کریم علوم و معارف کا گنجینہ، حقائق و دقائق کا دفینہ اور اللہ کے الطاف و اکرام کا سفینہ ہے، یہی علوم کا مخزن و معدن ہے، قرآن کریم اپنے تیس پاروں میں عجائب و غرائب، لطائف و نکات، اسرار و اظہار اور مختلف قسم کے ستر ہزار علوم اپنے اندر لیے بیٹھا ہے۔ (فتوحات شیخ ابن عربیؒ)

اور اس علم کے سمندر اور دریا میں، اس بحر ناپیدا کنار میں غواصی کرنے والا علوم کے ایسے ایسے جواہر دنیا کے سامنے لاتا ہے کہ عقل انسانی اپنی تمام تر قوتوں اور رسائیوں کے

باوجود اس ربانی وحقانی کلام کے آگے، اس کی نورانی وعرفانی حقیقتوں کے سامنے سرنگوں نظر آتی ہے اور ہر آنے والا دن شیخ ابن عربیؒ کے قول کی تصدیق کر رہا ہے۔

قرآن کریم سے کن کن علوم میں استفادہ کیا گیا، ان میں سے بطور نمونہ چند ایک یہ ہیں لیکن ان کی حیثیت ونسبت وہی ہے جو قطرے کو دریا سے ہوتی ہے۔

(۱) علم الحساب (ریاضی)

حساب کی تین بنیادی اصطلاحات ہیں، تفریق، ضرب اور تقسیم۔ باقی سب قواعد انہی کی فروع ہیں اور ان تینوں کی مثالیں قرآن کریم میں موجود ہیں۔

تفریق "فلبث فیھم الف سنة الاخمسین عاما"

ضرب "مثل الذین ینفقون اموالھم فی سبیل اللہ کمثل حبة"

تقسیم "یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین"

(۲) علم تعبیر "انی رایت احد عشر کوکبا"

(۳) علم بدیع (صنعتِ عکس) "یخرج الحی من المیت ویخرج المیت من الحی"

(۴) علم عروض "نعم المولیٰ ونعم النصیر"

(۵) علم الامثال "ان اوھن البیوت لبیت العنکبوت"

(۶) علم القیافہ "قال انی انا اخوک فلاتبتئس بما کانوا یفعلون"

(۷) علم الصرف "قدخاب من دسھا"

"دس" کی اصل "دسس" ہے، جب ایک صورت کے کئی حروف جمع ہو جائیں تو ایک حرف کو دوسرے سے بدلنا بہتر ہوتا ہے لہٰذا ایک سین کو الف سے تبدیل کر دیا۔

(۸) علم الرجال "مطاع ثم امین"

(۹) علم الاخلاق "ان اللہ یامرکم بالعدل"

(۱۰) علم التشریح "انا خلقنکم من تراب ثم من نطفة ثم من علقة"

(۱۱) علم النفس (جغرافیہ) "اولم یسیروا فی الارض"

(۱۲) علم ہیئت "تبرک الذی جعل فی السماء بروجاً"

(۱۳) علم التاریخ "لقد کان فی قصصهم عبرة"

(۱۴) علم المعیشت "وجعلنا لکم فیها معایش"

(۱۵) علم درایت "ان جاء کم فاسق بنبأ فتبینوا"

(۱۶) علم تجوید "ورتل القرآن ترتیلا"

(۱۷) علم تفسیر "فهل من مدکر"

یہ تو چند نمونے ہیں، باقی نجانے کتنے علوم قرآن کریم میں محفوظ ہیں۔

﴿حیوانات قرآنی﴾

قرآن کریم اگرچہ "حیوانات" کی کتاب نہیں اور نہ ہی اس میں حیوانات کی حقیقت و ماہیت سے بحث کی گئی ہے، البتہ مختلف مقامات پر جس کثرت سے حیوانات کا تذکرہ کیا گیا ہے اوران کی حلت وحرمت سے متعلق جو احکامات دیئے گئے ہیں، اس سے ان کی اہمیت پر روشنی پڑتی ہے۔

اس موقع پر ہم اپنے قارئین کو مولانا عبدالماجد دریابادی کی کتاب "حیوانات قرآنی" کے مطالعہ کا مشورہ دیتے ہوئے اس کا ایک مختصر سا خاکہ پیش کریں گے جس سے حیوانات کے نام بھی سامنے آجائیں اوران کا کوئی ایک حوالہ بھی واضح ہوجائے۔

۱۔ اونٹ	سورہ غاشیہ	آیت نمبر ۱۷	وغیرہ
۲۔ بکری	سورہ انعام	آیت نمبر ۱۴۳	"
۳۔ گائے	سورہ انعام	آیت نمبر ۱۴۴	"
۴۔ گھوڑے	سورہ نحل	آیت نمبر ۸	"
۵۔ مکڑی	سورہ عنکبوت	آیت نمبر ۴۱	"
۶۔ بچھڑا	سورہ طٰہٰ	آیت نمبر ۸۸	"
۷۔ اونٹنی	سورہ شمس	آیت نمبر ۱۳	"

۸۔ گابھن اونٹنی	سورہ تکویر	آیت نمبر۴	"
۹۔ مچھلی	سورہ صفت	آیت نمبر۱۴۲	"
۱۰۔ ہدہد	سورہ نمل	آیت نمبر۲۰	"
۱۱۔ بھیڑیا	سورہ یوسف	آیت نمبر۱۳	"
۱۲۔ مچھر	سورہ بقرہ	آیت نمبر۲۶	"
۱۳۔ خچر	سورہ نمل	آیت نمبر۸	"
۱۴۔ سانپ	سورہ نمل	آیت نمبر۱۰	"
۱۵۔ اژدہا	سورہ شعراء	آیت نمبر۳۲	"
۱۶۔ ٹڈی	سورہ اعراف	آیت نمبر۱۳۳	"
۱۷۔ گدھا	سورہ نحل	آیت نمبر۸	"
۱۸۔ خنزیر	سورہ مائدہ	آیت نمبر۳	"
۱۹۔ مکھی	سورہ حج	آیت نمبر۷۳	"
۲۰۔ چیونٹی	سورہ نمل	آیت نمبر۱۸	"
۲۱۔ بٹیر	سورہ طٰہ	آیت نمبر۸۰	"
۲۲۔ بھیڑ	سورہ انعام	آیت نمبر۱۴۳	"
۲۳۔ مینڈک	سورہ اعراف	آیت نمبر۱۳۳	"
۲۴۔ کوا	سورہ مائدہ	آیت نمبر۳۱	"
۲۵۔ پتنگے	سورہ قارعہ	آیت نمبر۴	"
۲۶۔ شیر	سورہ مدثر	آیت نمبر۵۱	"
۲۷۔ ہاتھی	سورہ فیل	آیت نمبر۱	"
۲۸۔ بندر	سورہ مائدہ	آیت نمبر۶۰	"
۲۹۔ جوں	سورہ اعراف	آیت نمبر۱۳۳	"
۳۰۔ کتا	سورہ اعراف	آیت نمبر۱۷۶	"

۳۱۔ شہد کی مکھی سورہ نحل آیت نمبر ۶۸ "

ان میں سے بعض نام ایسے ہیں جن کیلئے قرآن کریم نے ایک سے زائد الفاظ استعمال فرمائے ہیں لیکن ہم نے اردو لغت کا لحاظ کرتے ہوئے انہیں ایک مرتبہ ہی شمار کیا ہے اور ہر نام کا صرف ایک ہی حوالہ دیا ہے۔ ان کی مکمل تفصیلات کیلئے قارئین مذکورہ صدر کتاب کی طرف رجوع فرمائیں۔

شرائط مفسر

قرآن کریم کو سمجھنے اور اس کی تفسیر بیان کرنے کیلئے علماء نے کم وبیش تین سو علوم ذکر فرمائے ہیں جن میں سے چند یہاں ذکر کیے جاتے ہیں۔

(۱) علم آیات متشابہات (۲) علم مدنی ومکی (۳) علم سبب نزول
(۴) علم اسماء قرآن وسور (۵) علم جمع وترتیب قرآن (۶) علم وقف وابتداء
(۷) علم آداب تلاوت (۸) علم غریب (۹) علم ضمائر وغیرہ

مطالعہ قرآن کے اصول

قرآن کریم چونکہ شاہی کلام ہے، جس کا متکلم شہنشاہوں کا شہنشاہ ہے، اس لیے اس کا مطالعہ کرنے کے اصول ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہیں تاکہ اس کے آداب میں کسی قسم کی کوتاہی ہونے سے بشری استطاعت کے مطابق بچا جاسکے اور اس کی برکات سے بھرپور انداز میں استفادہ واستمتاع کیا جاسکے۔ اس سلسلے میں مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی ایک تحریر سے مدد لی گئی ہے جو ان کی کتاب ''مطالعہ قرآن کے اصول ومبادی'' کا حصہ ہے۔

مطالعہ قرآن کا سب سے پہلا اصول ''طلب صادق'' ہے جس کے بغیر قرآن کریم سے کما حقہ استفادہ مشکل ہی نہیں، ناممکن بھی ہے۔ دوسرا اصول ''استماع واتباع'' ہے کہ قرآن کریم کو توجہ کامل سے سنا جائے اور اس پر اپنی طاقت کے مطابق عمل پیرا ہونے کی کوشش کی جائے۔ تیسرا اصول ''خوف خدا'' ہے جو اگر ہم میں پیدا ہو جائے تو اس بات کا

یقین کرنا چاہیے کہ کبائر تو بڑی دور کی بات ہے، صغائر کا ارتکاب کرنے والے بھی خال خال ہی ملیں گے۔

اسی طرح ''ایمان بالغیب'' کی صفت سے متصف ہونا بھی مطالعہ قرآن کا اہم ترین اصول ہے کیونکہ اگر کوئی قرآن کا مطالعہ کرنے والا ایمان بالغیب کے درجے سے محروم ہو تو وہ جنت، جہنم، فرشتہ اور جن وغیرہ بہت سی چیزوں کو اپنی عقل نارسا کی بنیاد پر مسترد کر دے گا۔

اسی طرح ''قرآن کریم میں تدبر'' کرنے والا ہی قرآن کی مراد تک پہنچ سکتا ہے۔ پھر ظاہر ہے کہ ''تدبر'' کیلئے ''مجاہدہ'' اور محنت کی ضرورت ہوگی، اس لیے مطالعہ قرآن کا چھٹا اصول ''مجاہدہ'' ہے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ جب آدمی کسی مقصد کیلئے جدوجہد، محنت اور کوشش کرتا ہے تو اسے جلد یا بدیر اس کا ثمرہ ضرور ملتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ قرآن کریم کا ادب اور اس کی مکمل عظمت اپنے ذہن میں پیوستہ، مضبوط اور راسخ کرنا بھی ضروری ہے۔

مطالعہ قرآن کے ان اہم ترین سات اصولوں کو سامنے رکھ کر جو شخص بھی قرآن کریم کی تلاوت کرے یا سنے گا، اسے فائدہ ہونا ایک بدیہی بات ہے، جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا لیکن افسوس یہ ہے کہ اس وقت اولاً تو مطالعہ قرآن کوئی کرتا ہی نہیں اور اگر کسی میں یہ شوق پیدا ہوتا بھی ہے تو وہ اس کے اصول و مبادی سے ناواقف ہونے کی وجہ سے کما حقہ اس کی برکات سے مستفید نہیں ہو پاتا۔

اے کاش! ہم میں شعور و آگہی کی لہر بیدار ہو اور ہم اس صحیفہ انقلاب کے ذریعے اپنی زندگیوں کو ایک خوشگوار انقلاب سے بھرپور کر سکیں۔

معلومات قرآنی

(۱) لفظ اللہ قرآن کریم میں تقریباً پچیس ہزار مرتبہ استعمال ہوا ہے۔

(۲) انیس سورتوں کو حروف تہجی سے شروع کیا گیا ہے۔

(۳) دس سورتوں کو حروف نداء سے شروع کیا گیا جن میں سے پانچ کو نداء رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے شروع کیا گیا ہے، جن کے نام سورۂ احزاب، سورۂ طلاق، سورۂ تحریم، سورۂ مزمل، سورۂ مدثر ہیں اور پانچ کو نداءِ امت سے شروع کیا گیا جو یہ ہیں سورہ نساء، سورہ مائدہ، سورہ حج، سورۂ حجرات، سورۂ ممتحنہ۔

(۴) پندرہ سورتوں کو قسم سے شروع کیا گیا ہے۔

(۵) سات سورتوں کو حرف شرط سے شروع کیا گیا ہے۔

واقعہ، منافقون، تکویر، انفطار، انشقاق، زلزال، نصر۔

(۶) چھ سورتوں کو صیغہ استفہام سے شروع کیا گیا ہے۔

(۷) تین سورتوں کو بددعا سے شروع کیا گیا ہے۔ تطفیف، ہمزہ، لہب۔

(۸) تمام سورتوں میں سب سے زیادہ نام سورہ فاتحہ کے ہیں۔

(۹) قرآن کریم کی سب سے بڑی سورت، سورۃ البقرہ ہے اور سب سے چھوٹی سورت، سورۃ الکوثر ہے۔

(۱۰) قرآن کریم کی ترتیب بزمانہ خلافت اول ۱۳ھ اور بزمانہ خلافت سوم ۲۵ھ میں ہوئی۔

(۱۱) مندرجہ ذیل صالحین وصالحات کا نام قرآن کریم میں آیا ہے۔

عزیر، ذوالقرنین، لقمان، مریم بنت عمران سلام اللہ علیہا۔

(۱۲) وہ خوش نصیب واحد صحابی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ہیں جن کا نام قرآن میں آیا ہے۔

(۱۳) مندرجہ ذیل ملائکہ کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے۔

جبرائیل، میکائیل، ہاروت، ماروت، رعد، ملک الموت۔

(۱۴) مندرجہ ذیل کفار و دشمنان خدا کا نام قرآن میں آیا ہے۔

ابلیس، فرعون، قارون، ہامان، آزر، سامری۔ ابولہب۔

(۱۵) مندرجہ ذیل سورتوں میں ناسخ ومنسوخ دونوں ہیں۔

بقرہ، آل عمران، نساء، مائدہ، انفال، توبہ، ابراہیم، مریم، انبیاء، حج، طور، واقعہ، مزمل، مدثر، تکویر اور عصر۔

(۱۶) مندرجہ ذیل سورتوں میں منسوخ تو ہے لیکن ناسخ نہیں۔

رعد، انعام، ہود، یونس، اعراف، کہف، طٰہٰ، عنکبوت، مومنون، اسراء، نمل، قصص، ن، روم، سجدہ، ص، لقمن، فاطر، دخان، حم السجدہ، زمر، ق، جاثیہ، زخرف، احقاف، محمد صلی اللہ علیہ، نجم، قمر، معارج، دہر، طارق، قیامہ، والتین، غاشیہ، عبس، کافرون۔

(۱۷) مندرجہ ذیل سورتوں میں ناسخ تو ہے لیکن منسوخ نہیں۔

فتح، طلاق، اعلیٰ، حشر، تغابن، منافقون۔

مسائل متفرقہ

(۱) قرآن کریم کو باوضو ہاتھ لگانا چاہیے، پانی میسر نہ ہو یا عذر ہو تو تیمّم کرے۔

(۲) تلاوت کیلئے جسم اور لباس دونوں کا پاک ہونا ضروری ہے۔

(۳) قبلہ رو، مودب بیٹھ کر تلاوت کرے۔

(۴) قرآن کو آہستہ آہستہ ٹھہر ٹھہر کر پڑھے، سب سے پہلے تعوذ پھر تسمیہ پڑھے۔

(۵) قرآن کریم آج تک جس طرح لکھا جاتا رہا ہے اس کی مخالفت جائز نہیں۔

(۶) قرآن کریم کو ترتیب سے پڑھنا واجب ہے اگرچہ نماز سے باہر ہو۔

(۷) موجودہ ترتیب کے خلاف پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ نے مختلف سورتوں کی مختلف آیات پڑھیں تو حضور صلی اللہ علیہ نے انہیں منع فرمایا، اسی طرح ختم قرآن کے موقع پر جو مختلف آیات کا مجموعہ تلاوت کیا جاتا ہے، اس کو علماء نے ترک آداب میں شمار کیا ہے۔

(۸) زبانی قرآن کریم بلا وضو پڑھنا جائز ہے۔

(۹) چلتے پھرتے قرآن کریم پڑھنا جائز ہے بشرطیکہ جگہ نجس نہ ہو۔

(۱۰) سورۂ فاتحہ یا کسی اور سورت کا حفظ کرنا فرض عین ہے۔

(۱۱) قبر کے سرہانے قرآن پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے۔

(۱۲) قرآن کریم پڑھ کر بھیک مانگنے والے کو بھیک دینا مکروہ ہے۔

(۱۳) چند اشخاص کا کسی مخصوص جگہ پر جمع ہو کر مخصوص مقدار و انداز سے پڑھنا مکروہ ہے جیسے آج کل ختموں میں رواج ہے۔

(۱۴) جو شخص ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف ادا کرتا ہو جیسے ق کی جگہ ک، اگر وہ درست ادا کرنے پر قادر نہ ہو تب تو اس کے پیچھے نماز درست ہے ورنہ نہیں۔

(۱۵) پورے قرآن کو حفظ کرنا فرض کفایہ اور سنت ہے۔

(۱۶) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''وہ شخص بہت اچھا ہے جو قرآن شروع بھی کرے اور ختم بھی کرے۔'' اسی لیے زمانہ قدیم سے یہ دستور چلا آرہا ہے کہ ختم قرآن کے موقع پر سورۂ بقرہ کا پہلا رکوع پڑھا جاتا ہے۔

(۱۷) قرآن کریم کو چومنا مستحب ہے چنانچہ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ قرآن کو چومتے تھے۔

(۱۸) قرآن کریم کو خوشبو لگانا مستحب ہے۔

(۱۹) قرآن کریم کو غلاف میں لپیٹ کر محفوظ جگہ رکھنا مستحب ہے۔

(۲۰) قرآن کریم کو سونے اور چاندی سے مزین کرنا جائز ہے۔

(۲۱) بوسیدہ قرآن کریم کو جلا کر اس کی راکھ بہتے پانی میں بہا دینا جائز ہے۔

(۲۲) قرآن کریم کی آیات کو دھو کر پینا بالکل جائز ہے۔

(۲۳) قرآن کریم کو کمائی کا ذریعہ بنانا مکروہ ہے۔

(۲۴) حالت جنابت میں قرآن کریم کی تلاوت ناجائز ہے۔

اعمال قرآنی

خود حضور ﷺ سے بعض سورتوں کے بعض خواص منقول ہیں، پھر کچھ سورتوں

کے مخصوص فوائد و فضائل علماء و مشائخ سے منقول چلے آ رہے ہیں، جس طرح عام ادویات مریض کیلئے موثر ثابت ہوتی ہیں بالکل اسی طرح بلکہ اس سے کئی گنا بڑھ کر، اگر عقائد صحیحہ اور قواعد مقررہ کے ساتھ عمل کریں تو انشاء اللہ محروم نہ رہیں گے۔

شرائط اعمال قرآنی

عام شرائط یہ ہیں۔

(۱) عروج ماہ سے شروع کرے۔

(۲) ایک وقت اور جگہ پاک صاف معین کر کے پڑھے۔

(۳) جو تعداد علماء و مشائخ نے بتائی ہو، اس کے مطابق پڑھے۔

(۴) اپنے لباس و بدن کو صاف ستھرا اور معطر رکھے۔

(۵) ہر وقت باوضو رہے۔

(۶) اول و آخر معین تعداد میں درود پاک کا ورد کرے۔

(۷) ہر قسم کے صغیرہ و کبیرہ گناہوں سے بچے اور اختتام عمل پر خشوع و خضوع سے دعا کرے۔

فوائد متفرقہ

(۱) پہلی مدنی سورۃ "سورۃ الانفال" ہے۔

(۲) پہلی آیت جہاد سورۂ حج کی آیت ۳۹ ہے "اُذِنَ لِلذین یُقَاتلوُنَ"

(۳) مکمل سورہ فاتحہ اور سورہ بقرہ کی آخری آیات صرف حضور ﷺ پر نازل ہوئیں، آپ ﷺ سے پہلے کسی بھی نبی اور رسول پر ان کا نزول نہیں ہوا۔

(۴) حرمت شراب پر پہلی آیت سورۂ بقرہ میں نازل ہوئی اور وہ ہے "اِنما الخمر والمیسر"

(۵) قرآنی سورتوں کی ابتداء دس طرح سے ہوتی ہے یعنی دس میں سے کوئی ایک، طریقہ آغاز ہوتا ہے۔

(۱)	استفتاح بالثناء	(۲)	بالنداء
(۳)	بالحروف المقطعه	(۴)	بالجمل الخبرية
(۵)	بالقسم	(۶)	بالشرط
(۷)	بالامر	(۸)	بالاستفهام
(۹)	بالدعاء	(۱۰)	بالتعليل

(۶) مدنی سورتوں کی تعداد ۲۸ ہے، باقی سب مکی ہیں۔

(۷) سب سے طویل آیت سورہ بقرہ کی آیت ۲۸۲ ہے، اس کے کل ۱۲۸ کلمات، ۵۴۰ حروف ہیں۔

(۸) سب سے چھوٹی آیت ''والفجر'' اور ''والضحیٰ'' ہے۔

(۹) لفظی اور تحریری طور پر سب سے طویل کلمہ ''فَاَسْقَيْنَاكُمُوْهُ'' ہے، اس کے ۱۱ حروف ہیں۔

(۱۰) سب سے چھوٹا کلمہ ''باء'' جارہ ہے۔

(۱۱) چار آیات کے شروع میں حرف شین آتا ہے۔ (۱) شهر رمضان (۲) شهد الله (۳) شَاكِراً لانعمِهِ (۴) شَرَعَ لكم مِنَ الدينِ

(۱۲) دو آیتوں کا آخر میں ش آتا ہے۔

(۱) ''كالعهن المنفوش'' (۲) ''لايلفِ قريش''

(۱۳) ''حكيمٌ عليم'' یکجا ۵ بار آیا ہے۔ ۳ مرتبہ سورۂ انعام میں، ایک مرتبہ سورہ حجر میں، ایک مرتبہ سورۂ نمل میں۔

(۱۴) پورے قرآن کریم میں مسلسل آٹھ حروف سورۂ یوسف کی اس آیت میں متحرک ہیں۔

''انّی رَاَيتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَباً'' اس میں رایت کی یا اور کوکب کی واؤ کے درمیان مسلسل آٹھ حروف متحرک ہیں۔

(۱۵) سورۂ قصص کی آیت نمبر ۳۵ میں مسلسل ۱۱ حروف متحرک ہیں۔ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ

بِاَخِیْکَ.

(۱۶) تین آیات ایسی ہیں جن میں الف سے یا تک تمام حروف تہجی موجود ہیں۔

(۱) ''یاایھا الذین امنوا اذا تداینتم بِدَیْنٍ'' (سورہ بقرہ آیت ۲۸۲)

(۲) ''ثُمَّ اَنزلَ علیکم مِنْ بَعْدِ الغم اَمَنَۃً نعاسا) (آل عمران آیت ۱۵۴)

(۳) ''محمد رسول اللّٰہ والذین مَعَہٗ اشداء''(سورۂ فتح ۲۹)

(۱۷) سورۂ مجادلہ کی بائیس آیات ہیں اور ہر آیت میں لفظ اللہ موجود ہے اور کل چالیس مرتبہ لفظِ اللہ استعمال ہوا ہے۔

(۱۸) سورہ بقرہ کی آیت ۲۸۲ میں ۳۳ مرتبہ حرف ''م'' آیا ہے، ۲۳ مرتبہ کاف آیا ہے۔

(۱۹) سورہ یوسف میں ایک سو سے زائد آیات ہیں لیکن جنت جہنم کا ذکر کہیں نہیں آیا۔

(۲۰) سورہ حشر آیت ۲۰ میں لفظ جنت دو مرتبہ آیا ہے۔

(۲۱) ایک ح کے بعد دوسرا لفظ ح بلا فصل دو مقام پر آیا ہے۔

(۱) ''عُقْدَۃَ النکاحِ حتیٰ''(سورۂ بقرہ آیت ۲۳۵)

(۲) ''لَاابرح حَتیٰ''(سورۂ کہف آیت ۶۰)

(۲۲) دو کاف یکجا صرف دو جگہ آئے ہیں۔

(۱) مَا سَلَکَکُمْ (۲) مَنَاسِکَکُمْ

(۲۳) دو غین صرف ایک جگہ اکٹھے آئے ہیں۔''وَمَن یبتغِ غَیْرَ الاسلامِ دینا''

(۲۴) سورۂ والعصر کی تین آیات میں دس ''واو'' آئے ہیں۔

(۲۵) ۵۱ آیات والی سورہ میں ۵۲ وقف ہیں اور وہ سورۂ رحمٰن ہے۔

(۲۶) قرآن کریم میں سب سے زیادہ ضمیروں والی آیت سورہ نور کی آیت نمبر ۳۱ ہے، اس میں کل ۲۵ ضمائر ہیں۔

(۲۷) آیت الکرسی کو آیات کا سردار کہا جاتا ہے۔

خلاصہ قرآن کریم

مضامین قرآن اور خلاصہ قرآن پر متعدد کتابیں زیور طباعت سے آراستہ ہو کر اہل علم کے ہاتھوں تک پہنچ چکی ہیں تاہم تکمیل مضمون کے پیش نظر یہاں بھی قرآن کریم کی ہر سورت کا خلاصہ اختصار کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے۔

سورۂ فاتحہ کا خلاصہ: توحید، رسالت اور قیامت کا اثبات جو اسلام کے بنیادی عقائد ہیں اور صراط مستقیم کی تعیین۔

سورۂ بقرہ کا خلاصہ: رکوع نمبر۱ سے رکوع نمبر ۱۸ تک یہودیوں کے ساتھ مناظرہ ہے، رکوع نمبر ۱۹ میں ''تہذیب اخلاق'' کا ذکر ہے، رکوع نمبر ۲۰ سے رکوع نمبر ۲۳ تک ''تدبیر منزل'' کا ذکر ہے، رکوع نمبر ۲۴ سے ۳۲ تک ''سیاست مدنیہ'' کے دو اہم شعبوں ملک گیری اور ملک داری پر بحث کی گئی ہے، پھر رکوع نمبر ۳۳ سے رکوع نمبر ۴۰ تک خلافت کبریٰ کا بیان ہے۔

سورۂ آل عمران کا خلاصہ: عیسائیوں کے من گھڑت عقائد کی تردید اور ان کی اصلاح کا بیان اس سورت میں ہوگا۔

سورۂ نساء کا خلاصہ: اصلاح معاشرہ جس کے دو حصے ہیں۔ (۱) تدبیر منزل (۲) سیاست۔ پھر تدبیر منزل دو فصلوں پر مشتمل ہے۔ (۱) قانون اصلاح مال (۲) قانون اصلاح ازواج اور اولاد کی اصلاح اسی ضمن میں خود بخود حاصل ہو جائے گی۔

سورۂ مائدہ کا خلاصہ: اصلاح معاشرہ اور اس کے اصول۔

سورۂ انعام کا خلاصہ: اصلاح مجوس۔

سورۂ اعراف کا خلاصہ: اقوام عالم کو دعوت قرآن۔

سورۂ انفال کا خلاصہ: قوانین جہاد اور اس کی تیرہ دفعات۔

سورۂ توبہ کا خلاصہ: اعلان جہاد۔

سورۂ یونس کا خلاصہ: دعوت قرآن و نتائج دعوت۔

سورۂ ہود کا خلاصہ: دعوت و وسائل توحید۔

سورۂ یوسف کا خلاصہ: حضور ﷺ کے مستقبل کی پیشین گوئی۔

سورۂ رعد کا خلاصہ: اشقیاء کی شقاوت و عداوت کا بیان۔

سورۂ ابراہیم کا خلاصہ: مقصد بعثت انبیاء کرام علیہم السلام۔

سورۂ حجر کا خلاصہ: مظاہرہ صفات خداوندی۔

سورۂ نحل کا خلاصہ: دعوت الی التوحید۔

سورۂ اسراء کا خلاصہ: دین مصطفوی کی دیگر ادیان سے نسبت اور خصوصیات۔

سورۂ کہف کا خلاصہ: تعلق باللہ کی اہمیت۔

سورۂ مریم کا خلاصہ: حضرت عیسی علیہ السلام کے متعلق خیالاتِ فاسدہ کی اصلاح۔

سورۂ طٰہٰ کا خلاصہ: دعوت الی التوحید۔

سورۂ انبیاء کا خلاصہ: دعوت الی القرآن۔

سورۂ حج کا خلاصہ: تعلق مع اللہ کی درستگی۔

سورۂ مومنون کا خلاصہ: تعلق باللہ کی اہمیت۔

سورۂ نور کا خلاصہ: بداخلاقی کا انسداد اور اس کے قوانین۔

سورۂ فرقان کا خلاصہ: رفع موانع در قبول دعوت۔

سورۂ شعراء کا خلاصہ: صفت عزیز و رحیم کے مظاہر۔

سورۂ نمل کا خلاصہ: عذاب کا نشتر بھی ضروری ہے۔

سورۂ قصص کا خلاصہ: مستقبل کی پیشین گوئی۔

سورۂ عنکبوت کا خلاصہ: ضرورت جہاد و ہجرت۔

سورۂ روم کا خلاصہ: غلبہ اسلام کا اعلان

سورۂ لقمان کا خلاصہ: مستفیدین کا بیان۔

سورۂ سجدہ کا خلاصہ: دعوت الی الکتاب۔

سورۂ احزاب کا خلاصہ: اللہ تعالیٰ کی ذات پر کامل بھروسہ۔

سورۂ سبا کا خلاصہ: تصفیہ مسئلہ مجازاۃ۔

سورۂ فاطر کا خلاصہ: تنبیہ قبل از مجازات۔

سورۂ یٰس کا خلاصہ: مسئلہ توحید و رسالت و مجازات۔

سورۂ صٰفّٰت کا خلاصہ: دعوت الی التوحید۔

سورۂ ص کا خلاصہ: بے ادب محروم گشت۔

سورۂ زمر کا خلاصہ: اخلاص فی العبادۃ۔

سورۂ مومن کا خلاصہ: دعوت الی القرآن، مخالفین قرآن کو تنبیہ۔

سورۂ حم السجدہ کا خلاصہ: دعوت الی القرآن، قرآن اللہ کی رحمت ہے۔

سورۂ شوریٰ کا خلاصہ: دعوت الی القرآن، وحی میں مماثلت۔

سورۂ زخرف کا خلاصہ: دعوت الی القرآن، عظمت قرآن۔

سورۂ دخان کا خلاصہ: بیان وقت نزول قرآن۔

سورۂ جاثیہ کا خلاصہ: بیان تحدید دعوت۔

سورۂ احقاف کا خلاصہ: مہلت سنت اللہ ہے۔

سورۂ محمد ﷺ کا خلاصہ: تقابل اسلام اور ترغیب جہاد۔

سورۂ فتح کا خلاصہ: بشارتِ فتح۔

سورۂ حجرات کا خلاصہ: مسلمانوں کے باہمی تعلقات۔

سورۂ ق کا خلاصہ: اثبات یوم المجازاۃ۔

سورۂ ذاریات کا خلاصہ: جزائے اعمال یقینی ہے۔

سورۂ طور کا خلاصہ: دعوت وتبلیغ کی اہمیت۔

سورۂ نجم کا خلاصہ: حضور ﷺ کی رفعت مرتبت۔

سورۂ قمر کا خلاصہ: دفع استبعاد قیامت۔

سورۂ رحمان کا خلاصہ: نعمائے الہیہ۔

سورۂ واقعہ کا خلاصہ: قیامت کے دن انسانوں کی تین قسمیں۔

سورۂ حدید کا خلاصہ: اخذِ میثاق۔

سورۂ مجادلہ کا خلاصہ: مسلمانوں کی تربیت کا ایک پروگرام۔

سورۂ حشر کا خلاصہ: بقاء سلطنت۔

سورۂ ممتحنہ کا خلاصہ: کفار کا بائیکاٹ۔

سورۂ صف کا خلاصہ: فرائض مجاہدین۔

سورۂ جمعہ کا خلاصہ: فرائض اہل علم۔

سورۂ منافقون کا خلاصہ: اہل دولت کے فرائض۔

سورۂ تغابن کا خلاصہ: فوز عظیم۔

سورۂ طلاق کا خلاصہ: حقوق اللہ میں ترمیم روا نہیں۔

سورۂ تحریم کا خلاصہ: فرائض منصبی کی ادائیگی۔

سورۂ ملک کا خلاصہ: شہنشاہ عالم۔

سورۂ قلم کا خلاصہ: قرآن کریم کے گھڑا ہوا ہونے کا جواب۔

سورۂ حاقہ کا خلاصہ: جزائے اعمال یقینی ہے۔

سورۂ معارج کا خلاصہ: توضیح یوم المجازاۃ

سورۂ نوح کا خلاصہ: طریقہ تبلیغ انبیاء علیہم السلام۔

سورۂ جن کا خلاصہ: سلیم الطبع جنات۔

سورۂ مزمل کا خلاصہ: دستور العمل برائے مبلغین۔

سورۂ مدثر کا خلاصہ: حضور صلی اللہ علیہ کا کام فقط تبلیغ ہے۔

سورۂ قیامہ کا خلاصہ: اثبات قیامت۔

سورۂ دہر کا خلاصہ: نفی دہریت وحقیقت انسانیت۔

سورۂ مرسلات کا خلاصہ: مسئلہ مجازات ویوم قیامت۔

سورۂ نباء کا خلاصہ: یوم المجازاۃ کی تشریح۔

سورۂ نازعات کا خلاصہ: قیامت اور یوم قیامت۔

سورۂ عبس کا خلاصہ: مساوات در تعلیم۔

سورۂ تکویر کا خلاصہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ کیلئے حصول علم کا ذریعہ؟

سورۂ انفطار کا خلاصہ: تعلق مع اللہ کی اہمیت۔

سورۂ مطففین کا خلاصہ: ناپ تول میں کمی پر وعید۔

سورۂ انشقاق کا خلاصہ: تقسیم صحائف وتحائف۔

سورۂ بروج کا خلاصہ: خدا کی پکڑ بہت سخت ہے۔

سورۂ طارق کا خلاصہ: کیا قیامت کا وقوع ممکن ہے؟

سورۂ اعلیٰ کا خلاصہ: طریقہ تعلیم نبی صلی اللہ علیہ۔

سورۂ غاشیہ کا خلاصہ: جماعت مسلمین کی صفات۔

سورۂ فجر کا خلاصہ: مصائب، انسان کی بداعمالی کا نتیجہ۔

سورۂ بلد کا خلاصہ: فرائض انسانی۔

سورۂ شمس کا خلاصہ: مظاہر قدرت کا مشاہدہ۔

سورۂ لیل کا خلاصہ: ہر انسان کی کوشش کا طریقہ مختلف ہے۔

سورۂ ضحیٰ کا خلاصہ: زمانہ فترت کی حیثیت، (عظمت مصطفیٰ ﷺ)۔

سورۂ انشراح کا خلاصہ: احسانات رب بر پیغمبر اسلام ﷺ۔

سورۂ تین کا خلاصہ: فرائض منصبی کی اہمیت۔

سورۂ علق کا خلاصہ: پیغمبر اسلام ﷺ کی ذمہ داری تبلیغ وتفویض ہے۔

سورۂ قدر کا خلاصہ: نزول قرآن کریم۔

سورۂ بینہ کا خلاصہ: بعثت نبوت کی ضرورت۔

سورۂ زلزال کا خلاصہ: قیامت کے ابتدائی حالات۔

سورۂ عادیات کا خلاصہ: انسان کی ایک خطرناک بیماری، ناشکری۔

سورۂ قارعہ کا خلاصہ: قیامت کے انتہائی حالات۔

سورۂ تکاثر کا خلاصہ: تکاثر اموال اور موت سے غفلت ایک مرض۔

سورۂ عصر کا خلاصہ: اقوام عالم کی کامیابی کے اصول۔

سورۂ ھمزہ کا خلاصہ: زر پرستوں سے خداوندی سلوک۔

سورۂ فیل کا خلاصہ: توہین شعائر اللہ کا نتیجہ۔

سورۂ قریش کا خلاصہ: عبادت رب کا حکم۔

سورۂ ماعون کا خلاصہ: مکذبین قیامت کے اوصاف اور پڑوسی کے حقوق۔

سورۂ کوثر کا خلاصہ: اصول ہزیمت برائے اعداءِ اسلام۔

سورۂ کافرون کا خلاصہ: کفار کا بائیکاٹ۔

سورۂ نصر کا خلاصہ: انتقال پر ملال وغلبہء اسلام کی پیشگوئی۔

سورۂ لہب کا خلاصہ: عداوت اسلام کا انجام۔

سورۂ اخلاص کا خلاصہ: تعارف وتعریف باری تعالیٰ۔

سورۂ فلق کا خلاصہ: جسمانی طور پر پناہ خداوندی کی ضرورت، حسد کی مذمت۔

سورۂ ناس کا خلاصہ: روحانی طور پر پناہ خداوندی کی ضرورت، شیطان کی پہچان۔

﴿فہرست مآخذ ومراجع﴾

۱۔ قرآن کریم

۲۔ تفسیر ابن کثیر — حافظ ابن کثیرؒ

۳۔ روح المعانی — علامہ آلوسیؒ

۴۔ صحیح بخاری — امام بخاریؒ

۵۔ مسند احمد — امام احمد بن حنبلؒ

۶۔ علوم القرآن — مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ

۷۔ مطالعہ قرآن کے اصول ومبادی — مولانا ابوالحسن علی ندویؒ

۸۔ فیض الباری — علامہ انور شاہ کاشمیریؒ

۹۔ توضیح تلویح — امام صدر الشریعۃ

۱۰۔ الاتقان — علامہ سیوطیؒ

۱۱۔ تاریخ القرآن — عبدالصمد صارم الازہریؒ